زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

گلدستۂ ظرافت

یعنے

ذائق لطیف کی گنجی، ہنسنے ہنسانے کی کل، کشت زعفران، دلگی کا
یگزین، قہقہہ دیوار، آئینہ اسکندر، جام جم، چلتا پرزا، نور مجلس،
و معنی پھینتی کی مشین، شمع محفل، تبسم ناز، لطف زندگی، رفیق زندگی
م غلط کرنے کا بیشل آلہ، لکھنؤ کی صاف و شیریں زبان

مولفہ

جناب نشتر لکھنوی

ام حقوق بنام مہادیو پرشاد پبلشر نظیر آباد لکھنؤ محفوظ ہین

بہ اہتمام سیٹھ کندن لال مالک مطبع

سیٹھ کندن لال پریس لکھنؤ مین چھپا

۱۰۰۰ جلد ۱۹۱۸ء

گلدستۂ ظرافت

CHECKED

مرتبہ

جناب نشتر لکھنوی

CENTRAL LIBRARY

۷۸۶

دیباچہ

ہندوستانیوں کا مزاج ہمیشہ سے مزاح پسند ہے۔ خاص کر لکھنؤ میں یہ عادت طبیعت ثانی بن گئی ہے۔ اور حقیقت میں مذاق کلام کا نمک ہے۔ جس طرح کھانا بغیر نمک بے مزا رہتا ہے اسی طرح گفتگو میں اگر مزاح کی نمک پاشی نہ ہو تو مزا نہیں آتا۔ اسپر بھی مذاق خاص و عام میں فرق ہے۔ اور مذاق صحیح وہی ہے۔ جس میں تہذیب ہاتھ سے نہ گئی ہو۔ یہ ایک فن خاص ہے۔ شاہی میں تو اُمرا اور رؤسا کے مصاحبین اس کو فن شریف سمجھکر حاصل کرتے تھے۔ اور اسی کا نام علم مجلس تھا۔ ہر چیز کا اعتدال اچھا ہوتا ہے۔ ہنسنا ضرور باعث تفریح طبع ہے۔ لیکن خندۂ بیجا باعث انقباض خاطر ہوتا ہے۔ عقلا نے ہنسی کے بھی مراتب قایم کئے ہیں۔ مذاق، تمسخر، ظرافت، مزاح، دلگی، میں فرق ہے۔ زمانہ شاہی میں شرفا زادے طوائفان شہر سے علم مجلس حاصل کرتے تھے۔ اور طوائفوں کو ظرافت میں ایسا کمال حاصل ہوتا تھا کہ اچھے اچھے شہزادوں پر آوازے کستی تھیں۔ اور وہ انکو شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتے تھے۔ اور انکی شیریں زبانی کی داد دیتے تھے۔ کوئی لفظ بھی بار خاطر نہ ہوتا تھا۔ ایسی گفتگو کے تحت میں چند نکات پوشیدہ ہوتے ہیں جنکو اُردو کے صنائع بدائع میں شمار کرنا چاہیئے۔ ضلع، جگت، پھبتی، اوکھی، طعن، کنایہ، ذو معنی رعایت لفظی، اُردو ظرافت کے جزو اعظم ہیں۔ اور ان کے لئے بھی استعداد و علمیت کی ضرورت ہے۔ پھر محاورے اور روزمرہ سے کوئی فقرہ الگ نہ ہونے پائے ظرافت بامزہ وہی ہے۔ جو برجستہ اور بروقت ادا ہوجائے۔ روتے ہوئے آدمی کو ہنسادے۔ ایسے لطیفے اتفاق سے ادا ہوجاتے ہیں۔

عوام الناس انھیں لطیفوں کو "چٹکیاں اور اڑان" کہتے ہیں۔ ایسے لطیف لطیفے جو طبیعت کو سرور بخشیں۔ کبھی کبھی شعرا کے تسلم سے نکل جاتے ہیں۔ جنکی تاثیر قلب و جگر پر تیر و نشتر کا کام کرتی

ہے۔ یہ بات ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔ خاص خاص لوگ اس کے اہل ہیں۔ میں جس وقت خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے ادبی، تاریخی، اور اخلاقی مضامین کتابی صورت میں جمع کرنے کی فکر میں تھا۔ اور ایک ایک رسالے ایک ایک اخبار کی تلاش میں شہر شہر پھرتا تھا۔ ایک ایک پرچے کی چوگنی چوگنی قیمت ادا کرتا تھا کبھی دوست احباب کی خوشامد تھی۔ کبھی غیر شناسا کا احسان اٹھانا پڑتا تھا۔ اور سبب بھی یہی تھا کہ برسوں کے پرانے رسالے جس کے پاس تھے خاص کر جن میں خواجہ صاحب کے مضامین تھے لوگ ان کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اور بحفاظت تمام رکھتے تھے۔ اس کے دینے میں بخل کرتے تھے اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔ کتاب عاریتہً دینے کا رواج اس زمانے میں متروک ہو گیا ہے۔ لیکن خدا نے مجھے اس تلاش میں کامیاب کیا۔ خاصکر کلکتہ الہ آباد، کان پور، اور لکھنؤ سے اکثر پرچے دستیاب ہو گئے۔ بعض مضامین میں نے لائبریریوں سے اخبارات اور رسالجات کے فائل نکلوا کر نقل کئے۔ کچھ پرچے خواجہ صاحب سے بھی ملے۔ پھر بھی بہت سے مضامین کی ابتک مجھے تلاش ہے اور ان کے ملنے کی فکر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس تلاش میں بعض پنچ اخباروں مثلاً اودھ پنچ لکھنؤ، جنرل پنچ لکھنؤ، الہ آباد پنچ، کان پور پنچ بہادر بمبئی، فتنہ گورکھپور، ظریف لکھنؤ، وغیرہ وغیرہ میں ظرافت کے مضامین نظر آگئے۔ جو دلچسپی اور تفریح طبع سے خالی نہ تھے۔ اگر کل مضامین جمع کئے جاتے۔ تو ایک ضخیم کتاب ہو جاتی۔ میں نے اس مجموعے کا عطر نکال لیا۔ اور خاص خاص مضامین چن کر ایک کتابی صورت میں مرتب کر لئے۔

یہ دیکھکر ناظرین متعجب ہونگے کہ جو شخص اتنا متین، اتنا بڑا ادیب، اتنا مہذب نگار ہو اُس کے قلم سے ظرافت ایسی برجستہ ادا ہوتی ہے۔ جیسے کڑی کمان سے تیر۔

ایک ایک فقرہ لٹائے دیتا ہے پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ نظم و نثر قہقہہ ہے تو نشتر کشت زعفران۔ یہ بات عموماً دیکھی گئی ہے کہ ظرافت میں ناظم شاعرانہ قواعد و ضوابط کا لحاظ نہیں رکھتے۔ عامیانہ الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ متروکات کی پابندی کو ملحوظ نہیں رکھتے اکثر تو ردیف قافیے کی بھی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ لیکن خواجہ صاحب کی نظم ان رکاکتوں سے پاک ہے۔ انکی ظرافت آمیز نظمیں بھی شاعرانہ خوبیوں کو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

تفریح طبع کے لئے اس کتاب کا کتب خانے میں موجود ہونا۔ اور مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

آپ کسی وقت کسی فکر میں ہوں اس نقشِ ظرافت کو عمل کے طریق پر ایک دفعہ پڑھ جایئے سارے غم ساری فکریں دل سے کوسوں دور ہو جائیں گی۔

امید ہے کہ یہ کتاب دماغی محنت کرنے والوں کی تفریح طبع میں معجون مرکب اور تسخیر ہمزاد کا کام دیگی۔ اور طبیعتوں میں شگفتگی پیدا کرے گی۔ دیکھنے اور سننے والے ہمیشہ ہنستے اور ظرافت کے مزے لیتے رہیں گے۔

یہی وہ کتاب ہے جو ایک مرتبہ پڑھ چکنے کے بعد بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

سرائے میوہ۔ لکھنؤ
یکم مارچ ۱۹۱۸ء

احقر نشتر عفی عنہ

پریزادوں کا جلسہ

اس میں شک نہیں کہ لکھنؤ باعتبار تمام شبینی وحسن پرستی "رنڈیوں کا دارالسلطنت" ہے۔ صورت، شکل، رعنائی، دلربائی، طرحداری، عیاری، مکاری، ستم شعاری، عشوہ، غمزہ، چالاکی نجیائی کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ حسن کی دیوی نے یہاں گومتی ماتا کی گود میں جنم لیا ہے۔ اسی ادائے دلکش کو یاد کرکے ناسخ مرحوم کہتے ہیں ؎

گل سے رنگین تر ہیں خار لکھنؤ
نشہ سے بہتر خمار لکھنؤ

ابھی تک اس شہر میں یہ بات حاصل ہے۔ کہ دیہات سے جو سیدھا سادہ حسین مہ جبین آجاتا ہے۔ کچھ دنوں کی نشست برخاست کے بعد شوخی طراری۔ غمزۂ جانستاں سیکھکر دلربائی کا مدرس اوّل بن جاتا ہے۔

اسی وجہ سے ہندوستان بھر کی طوائفوں کا تخت گاہ لکھنؤ قرار پایا۔ سرپرستی کے لحاظ سے اس تختگاہ پر نوابی سلطنت یا ریئسہ ریاست ہونا ضرور تھا۔ پھر حسینوں کا سردار بھی لازمی حسین ومہ جبین بلکہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہونا چاہیئے۔ رنڈیوں کے انتخابی ووٹ سے اس گدی کی جانشین یا چودھرائن ماہ منیر الکبدر منیر قرار پائیں۔ ان "خاتونان یغما" کے حسن سیاسی سے کل امور کا فیصلہ جو اچھی اچھی عدالتوں سے برسوں میں طے نہ پائے انکی ایک ادائے مستانہ سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجاتا ہے۔

یونہ شہر کی تمام طوائفیں دیرینہ حوصلے نکالنے کی غرض سے کبھی کبھی محفل رقص و سرود اور جلسۂ عیش ونشاط قرار دیا کرتی ہیں۔ لیکن چونکہ کوئی اصولی قوت انکو حاصل نہیں۔ لہذا اکثر بازیچۂ طفلاں بنکر تماشائیں تماش ہوجاتا ہے۔

چودھرائن کے جلسے میں معلم الملکوت کے انتظام سے کسی قدر لطف جسمانی وشغل روحانی حاصل ہوتی ہے۔ رشک منیر کی چھپی ٹکٹ دیکھنے والے تو اس عظیم الشان جلسہ کے مزے ابتک

لوٹ رہے ہیں۔ اور کہنے والے کہتے ہیں کہ اب ایسا دلکش سین اس عالم اسباب میں نظر آنا مشکل ہے۔ چھٹی کے بعد سے ان پریوں کا خاموشی کے ساتھ سناٹا کھینچنا تعجب خیز امر تھا۔ خدا خدا کر کے پھر سردی کے زمانہ میں طبیعتوں میں گرمی پیدا ہو گئی۔ اور جھٹ "رشک منیر" کی روزہ کشائی کے جلسہ کی ٹھہرا دی۔

تورے کی تقسیم باقاعدہ سیر چشمی سے معہ ارتن برتن کے ہوئی شہر کے تمام رئیس از کہہ تا مہ مدعو کئے گئے۔ رنڈیوں کو بلاوے دیئے گئے۔ گویا عید میں دوسری عید کا سامان ہونے لگا۔ جلسہ کا دار القیامہ آغائی صاحب کا باغ تجویز ہوا جو ایک غیر آباد جگہ تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حسین مہ جبین لولیوں کے واسطے یہی مقام مناسب اور موزوں تھا۔ کیونکہ بقول داغ ؎

بتان ماہوش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جسکی جان جاتی ہے اسیکے دل میں رہتے ہیں

قیاس اقترانی کے لحاظ سے بعض کوتہ اندیش حکم لگا بیٹھے تھے۔ کہ ڈاکہ ضرور پڑے گا۔ اس خیال سے پولیس کو ایک نگاہ دلفریب سے اشارہ کر دیا گیا۔ مکان کے ارد گرد پہرہ مقرر ہو گیا۔

جلسہ کا سین قابل دید تھا۔ ۱۹۰۷ء میں تاریخ عید کی سنگل کے روز آغائی صاحب کے باغ میں شام سے چہل پہل ہے۔ شاہراہ پر روشنی کے ٹھاٹھر لگائے گئے ہیں۔ گلاس روشن کئے جاتے ہیں۔ بگھیوں کی متواتر آمد و رفت سے خاک اڑ رہی ہے۔ بگھیوں میں کسی میں کچھ رئیس ہیں۔ کچھ ارباب نشاط بیٹھے ہوئے باغ کی طرف آ رہے ہیں۔ بگھی ایک وسیع پھاٹک کے قریب آ کر ٹھہر جاتی ہے۔ میزبان مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے مستعد ہیں۔ باغ میں جابجا گیس کی روشنی آنکھوں میں خنکی اور فرحت پیدا کر رہی ہے۔ اسی باغ کے پہلو میں ایک وسیع بارہ دری ہے جس میں گیس کی روشنی بافراط ہے۔ دو وسیع نمگیرے صحن میں کسی معشوق کے مزاج کی طرح کھنچے ہوئے ہیں۔ صحن کے وسط میں سفید چاندنی کا فرش بچھا ہے۔ جس پر تمام میراثی ڈھاڑی گویے بیٹھے ہوئے ہیں۔ گرداگرد چوکہ لگا ہے۔ جس پر تماشائیوں کی وہ کثرت ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ آدمی پر آدمی ٹوٹا پڑتا ہے۔ چوکے کے بعد اور ایک وسیع اور بلند تختہ بندی ہے۔ جس پر اونی غالیچوں کا مکلف فرش بچھا ہوا ہے۔ جہاں تمام پریزادان عالم کا ہجوم ہے۔ حسین حسین رنڈیاں یکے بعد دیگرے آتی جاتی ہیں اور بیٹھتی جاتی ہیں۔

محمدی جان اودی ساری سنہری بیل بوٹے کی بنارسی زیب جسم کئے عجب تبسم آمیز

اداے گلوریاں تقسیم کر رہی ہیں۔ حسین کمسن رنڈیاں ؎

برس پندرہ دیا کہ سولہ کا سن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

نکیلی سجیلی، رسیلی، زیور مرصع سے آراستہ پیراستہ۔ لولی فلک کی خالا بنی ہوئی ؎

پڑ گئی آنکھ جو ان چاند سے رخساروں پر
لوٹتے کبک نظر آ گئے انگاروں پر

صورت شکل میں حور کی بچیاں۔ زاہد صد سالہ دیکھ پائے۔ تو منہ میں پانی بھر آئے بیساختہ کہہ اٹھے ؎

حاضر ہیں ہم تو دینے کو دل بلکہ جان تک
لینے کا نام بھی کہیں آوے زبان تک

جسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ فوراً کلیجہ تھام لے۔ اور سکتہ کی حالت ہو ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

صاحب خانہ بدر منیر کریب کا ڈوپٹہ سرخ پھولدار گرنٹ کا پائجامہ اور سیاہ مخملی باڈی گلے میں موتیوں کا مالا۔ ماہ منیر گلابی کریب کی باڈی کارچوبی زیب جسم کئے ہوئے۔ گلابی ساری ریشمی۔ کانوں میں ہیرے کے ایرنگ۔ سر پر اسٹار لگائے ہوئے۔ گلے میں موتی اور ہیرے کا مالا۔ ایک انجمن آرا دوسری ملکہ مہر نگار بنی ہوئی ایک میم صاحب تو دوسری ہندوستان کی پری کا پاٹ کئے ہوئے ایک پانوں سے ٹہل رہی ہیں۔ کبھی اسکی مزاج پرسی ہو رہی ہے کبھی اسکی پیشوائی ہو رہی ہے۔ اور اپنے مزاج ہی نہیں ملتے۔ گویا چھلاوہ بنی ہوئی ادھر آئیں اور ادھر چلی گئیں۔ تمام رنڈیوں کا جتھے کا جتھا ایک ہی مقام پر جلوہ گر ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرستان کی پریاں اتر آئی ہیں۔

انکی پشت پر کچھ کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اسپر کچھ لوگ مؤدب تر دماغ دست بستہ اے توبہ صف بستہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جن کے زمرہ میں محمدی والے داروغہ محمد خاں خشوک خوش غلامی کے زخمہ ستار بنے ہوئے فالج زدہ ٹیڑھا منہ کئے ہوئے سب کا منہ چڑھا رہے ہیں۔ اور حق خواجہ تاشی ادا کر رہے ہیں۔

خاص بارہ دری کے اندر کچھ لوگ بیٹھے ہیں کچھ ٹہل رہے ہیں۔ رؤساء شہر کوٹھوں پر

پریہ دون ۔ ۔ ۔

جلسہ کا اختتام کرنا پڑا۔ اور وہ پیاری پیاری دلربا صورتیں چشم زدن میں نظروں سے غائب ہوگئیں

ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

وہ سماں ابتک آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔ اور عاشق مزاج دل ہی دل میں مزے لے رہے ہیں ؎

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا!!
تخلص داغ ہے وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

بلبل ہند

"بلبل ہند" لکھنؤ میں ایک مشہور میر شکار تھا، ہندوستان کی ہر ایک رنڈی اس کے نام سے آشنا ہے۔ پرندوں کے ایک ایک عضو کی تشریح جس عنوان شائستہ سے وہ بیان کرتا تھا آج ویسی شرح گلستان کی بھی کسی نے نہیں لکھی۔ ایک بلبل چک رہا تھا۔ سامعین کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ رنڈیوں کا سراپا کھینچنے میں تو بہزاد و مانی کے کان کاٹے تھے۔ دبلا پتلا منہنی آدمی۔ مگر چٹک مٹک غضب کی۔ مسکرا تھا کہ اس کی زبان سے دو جملے سنو۔ اور تو سن طبع دولتیاں نہ اچھالنے لگے۔ میکشی کی لت اس غضب کی تھی کہ بیسہ بیسہ نہ جوڑا۔ شہر الٰہ آباد کی بدولت ہزاروں مرتبہ کچہری میں لت پت ہوا جوتیاں کھائیں۔ تھانے میں گھسیٹے کھینچے پھرے۔ کچہری میں دھانے بجگتے۔ کس دن اس کی گالیاں کھائیں۔ مگر مشراب نہ چھوٹی ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

آخر پیشہ کی ذلت سے چھڑانے کو گرہ اجل نے دبوچ لیا۔ اور چند روزہ مرض الموت کے بعد رات ہی رات دار الشفاء شاہی میں ٹھنڈے ٹھنڈے عدم کو سدھارے۔ دو چار جگت آشنا یہ کہکر آبدیدہ ہوئے ؎

یہ خبر چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

[illegible] کہ بزم میں کس کا ذکر ہے۔ نام سنتے ہی [illegible] اور سال بھر تک

سیاہ پوش رہینگی۔ مگر صدائے برنخواست۔ کسی معشوق مزاج کے تیور بھی میلے نہ ہوئے۔ اتنی توفیق بھی نہ ہوئی۔ کہ غریب کے نام پر کسی بھوکے تماشبین کو کوئی چیز دیدیجاتی۔

شاگردوں نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر مفلسی کا برا ہو۔ کہ فاتحہ بھی نہ دلا سکے آخر اسی وبال کے ہاتھوں قحط سالی کے آثار نمودار ہوئے۔ اور سب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا۔ لیکن قسمت میں حرام کے پیسہ سے فاتحہ لکھوا چکا تھا بلبل ہند کا چہلم نہ ہو اس کے کیا معنی۔

اس قحط اور گرانی کے پر آشوب زمانہ میں جب کسی کی دعا اور نماز سے پانی نہ برسا تو رنڈیوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم بھی کوئی نیک کام کریں۔ شاید تیر نشانہ پر بیٹھ جائے۔ زمانہ نے بی ادھا بگن کو ابھارنا شروع کیا۔ کیونکہ نو دولتوں میں قضا و قدر نے اس کا نمبر پہلے چپکا دیا تھا ع

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

شاہی زمانہ میں ممولا جان بائی تھی جس کو نوچیوں کا بہت شوق تھا۔ تین چھوکریاں تھیں۔ شیریں جان، محبوب جان۔ جھمن جان، آخر الذکر عبد اللہ ڈھاڑی کی آشنا تھی۔ اور وہی ان کو قسائیوں کے پھندے سے چھڑا لایا تھا۔ اور تعلیم دیکر رنڈیوں میں شامل کرا دیا۔ ان کے بھائی محمد حسین بھی دم چھلے کی طرح ہمراہ رکاب تھے۔ جن کی ذات سے ادھا بگن اور سجاد کی صورت عالم ایجاد میں آئی۔ ادھا بگن کی روزی کا دروازہ جب کشادہ ہو گیا۔ تو محمد علی سے صاحب سلامت رہی۔ آخر گنیش پرشاد کوتوال کی اردلی میں پیش ہو گئیں۔ یہ امید کہاں تھی۔ کہ اب زندگی بھر کوتوال کے پھندے سے چھٹنا نصیب ہوگا۔ لیکن کمائی کھانیوالوں کی قسمت رسا تھی۔ کوتوال جیلخانہ ہوا کھانے چلے گئے اور یہ قید سے رہا ہو گئیں۔ تقدیر کا پتہ جبلپور جا کر الٹ گیا۔ اب کیا تھا خوشامد خورے چاپلوسی فوج در فوج گھسنے لگے۔ اور تعمیر عمارت کا شوق بڑھتا گیا۔ سجاد کے دو لڑکے تھے۔ رنڈیوں کے خاندان میں تو لڑکیوں کی چاہ ہوتی ہے۔ مگر انکی خوش نصیبی سے لڑکے بھی کچھ لڑکیوں سے کم نہیں کماتے ہیں ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کو پیچھے سے سمجھ آتی ہے کوئی آگے سے فہمیدہ ہوتا ہے۔

آخر صلاح یہ ٹھہری کہ دونوں کی بسم اللہ کا دھوم دھام جلسہ ہونا چاہیئے۔ زندگی میں کچھ دل کے ارمان نکلیں کھانا کمانا روز کا ہے۔ یہ چکی تو قسمت میں ہمیشہ سے لکھی ہے۔ مگر جلسہ جو تو کیونکر اسواسطے کہ چودھرائن، بدر منیر، ماہ منیر کی برادری سے تو خارج ہو چکی تھیں۔ کسی مجرے میں ادھا بگن اور کامنی کو مبارکباد ملی۔ یہ اکیلی لیکر چلتی ہوئی۔ اسکی پنچایت ہوئی۔ یہ کچھ کنمنائیں برادری سے نکالدی گئیں۔ دل نے صلاح دی کہ اس کا مشورہ اللہ باندی سے کرنا چاہیئے۔ وہ یہ پاپڑ بیل چکی ہے۔ یہ اب

اللہ سے چاہتی تھی کہ کوئی پھٹ رنڈی ہتھے چڑھے۔ ایک تو چاول والی نظیر اسے خارج کر چکی تھی۔ دوسرے کربلا میں ذلت ہوئی۔ آخر تو تو میں میں کے بعد یہ بات قرار پائی۔ کہ ہم تم دونوں چودھرائن بنجائیں۔ کچھ گنڈوں کو دینے لینے کا وعدہ کر کے ابھار دو۔ وہ رنڈیاں اکھیڑ لائیں۔ خدا کے فضل سے یہ بات تمکو آسان ہے۔ تمہارا بھائی سجاد بڑے بڑے نوابوں کی دولت گھسیٹا کرتا ہے۔ دوسرے ایک شیطان صورت چنڈو باز مرزئی مشہور مرثیہ گو طبل شاگردی بجاتا ہے۔ کچھ خکاکوں سے کہو یہ بھی سازنگیوں میں شامل ہیں۔ دن بھر گز پکڑے ہوئے تناریں ریں کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو عروج دو۔ جو سب رنڈیوں کو بہکاتا پھرے کہ تمہیں چودھراین گالیاں دیتی ہیں۔ حقیر سمجھتی ہیں۔ شہروں شہروں گاؤں گاؤں جاؤ ایک ایک ڈیرہ دار کو ملاؤ۔ آخر جا بجا خفیہ کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ اور رنڈیوں میں چودھرائن کی طرف سے برہمی پیدا ہو چلی تھی کہ بدر منیر چودھراین کو حیدرآباد میں یہ خبر ملی۔ وہ پیٹ پکڑے ہوئے فوراً لکھنؤ آ دھمکیں۔ رنڈیوں کو بلا کر پنچایت کی۔ ملکہ اور لطیفا کے شکوے دفع کئے۔ سب رنڈیوں کو تسلی اور تشفی دی۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ حیدرآباد۔ عظیم آباد۔ میرٹھ بنارس۔ الہ آباد۔ کانپور۔ آگرہ۔ باندہ۔ رامپور۔ تار دیئے کہ ہمنے اس اسوجہ سے اوہاگن کو خارج کر دیا ہے اب کوئی رنڈی ان کے جلسہ میں شریک نہ ہو۔ جب لکھنؤ میں کام نہ نکلا۔ تو بریلی اور رامپور گئیں۔ انہوں نے کہا ہمکو چودھرائن کا تار آ چکا ہے۔ ہم نہیں شریک ہو سکتے۔ پھر دیہات کا قصد کیا۔ وہاں بھی چودھرائن کے خطوط روانہ ہو چکے تھے۔ لہذا بے نیل مرام واپس آئیں۔ بہت سے گنڈوں نے زور لگایا اور دھمکایا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ تین رنڈیاں خارج شدہ ننھی۔ کلو۔ دنی۔ ونمو اور نیوتنی کی شریک ہوئیں۔ جلسہ کا سامان شروع ہو گیا۔ مکان میں اندر باہر استرکاری ہوئی۔ کھانا پکا۔ حصہ تقسیم ہوا۔ مگر نیت بخیر نہ تھی۔ کھانے نے روغنی طباقوں کے ساتھ ساز کر لیا۔ اور سب کھانا کڑوا ہو گیا۔ دوسرے بلبل ہند کی روح بھوکی تڑپ رہی تھی۔ بھلا وہ کب کسی کو ٹھنڈے پیٹوں کھانے دیتی۔ قہر درویش بر جان درویش۔ دوبارہ کھانا تقسیم کیا گیا۔ ملیح آباد کی مہندی پر بہت زور لگائے گئے۔ وہ اس اقرار پر راضی ہوئی کہ اگر ننھی شریک نہ ہوگی۔ تو میں آؤنگی۔ جلسہ میں آئی ننھی کو دیکھکر نہ حقہ پیا نہ پان کھایا۔ سیدھی اٹھی چلی گئی۔

تقن گونڈہ کی طوائف کے کپڑے کسی عاشق مزاج نے تیزاب ڈالکر جلا دیئے۔ بیچاری کا بہت نقصان ہوا۔ دوشنبہ کے دن ٹھاٹ سے ٹھاٹھ بندی ہوئی۔ روشنی شروع ہوئی۔ رئیسوں کو داخلہ کے کارڈ بھیجے تھے۔ بغیر کارڈ کے کوئی آنے نہیں پاتا تھا۔ بجلی کی روشنی نور کا عالم۔ کوٹھوں پر کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ پان سگرٹ موجود۔ محفل بہت اچھی سجی تھی۔ رات کا دن تھا۔ مسلمان و ہندو علیحدہ علیحدہ کرسیوں پر جلوہ گر۔ جو آتا تھا۔

دس روپیہ سے تین روپیہ تک نیوتہ کے دیتا تھا۔ نوکری سے برطرف تھیں یہ تحصیل اسواسطے کی گئی۔ کہ کچھ دنوں تک بیٹھکر کھائیں۔ شہر کے بہت سے رئیس شریک جلسہ تھے۔ تعجب تو یہ تھا کہ ایک مقدس مقام کے مولوی مفتی بھی شریک جلسہ تھے۔ حیدرآباد کے ایک وکیل جن کے نام کے ساتھ بیوقوف کی دم لگی ہوئی ہے۔ ڈٹے ہوئے تھے۔ اور بہت سے اللہ کے ولی موجود تھے۔ شہر کے نامی گرامی حکیم صاحب الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی مفتہ گوش بنے ہوئے سجاد کی شاگردی کا حق ادا کر رہے تھے۔ رنڈیوں کی طرف سے صفدر تھا۔ کچھ گڑھے والی سرائے کی ٹکاہیاں کچھ نئے گانوں کی خانگیاں شریک حال۔ کوئی صورت ایسی نہ تھی جو دل کو لبھاتی۔ کوئی آواز ایسی نہ تھی جو فرحت بخش ہوتی۔ گانے والیوں کا قحط تھا۔ پہلے خود ناچیں۔ پھر رئیس بھانڈ۔ پھر باندے والی نچنی ناچنے کھڑی ہوئی تھی۔ کہ پائجامہ کھل گیا۔ ایک تالی اور سناٹا چھا گیا اور ایک قہقہہ پڑا۔ پھر اللہ باندی کی لڑکی ننھی۔ پھر محمد بھانڈ اور مردانی ناچا۔ جوان مڑبسیاں لنگڑی لولی سب ملاکر سترہ رنڈیاں جن کے واسطے دو مہینہ تک دوڑ دھوپ رہی۔ دو چار مصنوعی رنڈیاں بھی شریک حال تھیں۔ بی اللہ باندی نے بھی مجرا کیا۔ اور پھر سجاد نے باجا بجایا۔ باقی رات بھر بھیروں ناچا کیا۔ گویا پہلی بسم اللہ غلط ہوئی۔ اس خوشامد پر بھی رنڈیاں شریک نہ ہوسکیں۔ صبح ہوتے ہوتے جلسہ برخاست ہوا۔ پہلے ایک مقدس مولوی منہ چھپائے ہوئے نکلے۔ جانا ہی چاہتے تھے پھاٹک سے قدم باہر رکھتے ہی بلبل ہند منہ تاکتا ہوا قدموں پر گر پڑا۔ خدا سلامت رکھے۔ غلام نے جسدن سے انتقال کیا۔ روح ایک ٹکڑے روٹی کو ترس رہی ہے۔ شراب تو کہاں ممکن اب کوئی کھانے کو بھی پوچھنے والا نہیں۔ آج چالیسواں دن ہے جو ڑہ دینا کیسا کسی نے ایک چلو بھر پانی بھی نہ دیا۔ روح پر فشار قبر کیا کم تھا جو بھوک کا عذاب سہتی۔ کارکنان قضا و قدر کو وہم و گماں بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا اتنا بڑا ہوگیا ہے۔ حضور سے ایک گذارش ہے دعا مغفرت نے جو پہلا حصہ بانٹا تھا اور خوش قسمتی سے کلوا سٹے میں ملگئی تھی جس کے جرم میں دوبارہ گنہگاری دینی پڑی تھی وہ فاضل رقم ہاتھ اٹھا کر میرے نام بخشدیجئے۔ آپ کو بھی ثواب ہوا اور میرے چالیسویں کا کام بھی ہوجائیگا۔ جوڑے کی فکر کبھی اور کرلونگا۔ فی الحال چالیسویں کو تو معلوم ہوجائیگا۔ کہ بلبل ہند کا چالیسواں اس دھوم دھام سے ہوگیا۔ مولوی صاحب لے ہر چند جان چھڑانا چاہی۔ بہت کچھ لاحول پڑھا۔ مگر وہ کب کھسکنے والا تھا۔ دوسرے چالیس روز کے فاتحہ سے صورت سوال ہوگئی تھی۔ ملا کو رحم آگیا۔ ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دیدیا اور ثواب بلبل ہند کی نذر کر دیا۔ وہ یہ کہتا ہوا اپنے مقام پر واپس ہوگیا۔

میر امرانکے گھر شادی ہوئی خون کے چھاپے لگے دیوار میں

رنگ میں بھنگ

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے
نظر آ بسی سڑی رنڈی کی صورت آ ہی جاتی ہے

واللہ غنیمت ہے۔ لاکھ لکھنؤ مٹ گیا۔ پس گیا۔ قحط سالی سے تباہ ہو گیا۔ کھد گیا۔ طاعون نے نور لگا کر صفاچٹ میدان بنا دیا۔ مگر ماشاء اللہ اس بڈھے شہر کے وہی دم خم ہیں۔ اس میں کوئی مہینہ عید سے خالی نہیں جاتا۔ اور پھر یہ خوشی دن دونی رات چوگنی ہوتی جاتی ہے ؎

آسماں کی کب ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے میں فدائے لکھنؤ

ہندوستان میں جہاں ملکی بہی خواہوں کے دو گروہ ہیں۔ اور اپنی قوم کے پولٹیکل معاملات کے کیل کانٹے کے درست کرنے میں سرگرم پائے جاتے ہیں۔ جن کو کانگریس اور کانفرنس کے معزز خطاب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ وہاں خدا رکھے لکھنؤ میں ارباب نشاط کی بھی دو پارٹیاں ہیں یا یوں کہیئے کہ طوائفان شہر کی دو ٹکڑیاں ہیں۔ بڑے جہاز کی ناخدا تو بی بدر منیر و ماہ منیر عرف ننھوا بچوا ہیں۔ اور چھوٹی کشتی جو ڈبکوں ڈبکوں میکند ہے اسکی ملاحی زمانہ بحر فتار کے ہاتھوں ہے

آدمیاں گمشدند ملک خدا خدا گرفت

کے مصداق ہو کر چاول والی نظیر کے حصہ میں آئی ہے۔ اول الذکر جو دہرائن کے یہاں تو خدا کے فضل سے سال بھر میں ایک آدھ دھوم دھامی جلسہ ہو جاتا ہے۔ ابھی دو چار دن کی بات ہے۔ رشک منیر کی چھٹی میں وہ قیامت کی پریزاد نورانی محفل تھی۔ کہ سبحان اللہ چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہو گی۔ ہندوستان کی مشہور اور حسین طوائفوں کا جمگھٹا تھا۔ جو دیکھ چکا ہے اسکی نظر سے ساری دنیا کے جلسے اتر گئے اور جس نے نہیں دیکھا۔ وہ آج تک کف افسوس ملتا ہے۔ اس جلسہ کا رشک مخالف پارٹی کو بہت کچھ ہوا۔ اور ایک مدت سے یہ خیال گدگدا رہا تھا۔ کہ کوئی موقعہ ملے تو اس کا جواب دیا جائے۔ خدا خدا کر کے بی اللہ باندی کے یہاں نواسی تو نہ ہوئی نواسا پیدا ہوا۔ چار ناچار خوشی کا صیغہ گرہ اتنا پڑا۔ اگرچہ زمانہ سلف میں مدت حمل نو مہینہ تھی۔ مگر زمانہ نے ہر نہج میں ترقی کی ہے۔ برسوں کا سفر ریل کے

ذریعہ سے دنوں میں طے ہوتا ہے۔ تار برقی چشم زدن میں صدہا کوس خبر پہونچ جاتی ہے۔ مرغی کے بچے ۲۱ دن کی جگہ چشم زدن میں کل کے ذریعہ سے اچھلتے کودتے نکل آتے ہیں۔ پھر مدت حمل کا گھٹنا کچھ تعجب خیز امر نہیں۔ نتھی تو فرزند پیدا ہونے سے باچھوں تک کھل گئی۔ بڑے بڑے ساہوجی مارے خوشی کے کپا ہوگئے۔ نانی کے اگلے پچھلے آشناؤں میں مسرت کی ہنڈیا گرم ہونے لگی۔ شیخ سید مغل پٹھان۔ اسٹر مسٹر ایرا غیرا ملوتیا لیا۔ ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔ خواجہ بدیع الزماں تو مارے خوشی کے مند سے طبلہ بجا رہے تھے۔ اور ہمارے غالب صاحب جن کا عاشقی میں نمبر حد جنون تک پہنچ چکا تھا ریشہ خطمی ہوئے جاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پختہ اناس پھٹ کر بہگیا ہے۔ ادھر اچھن اپنی بہادری جتا رہا تھا۔ عجب بم چخ تھی۔ کوئی کس کی سنے اور کس کی نہ سنے۔ غرضکہ پرانے برتنوں پر نئی قلعی اور نئے برتنوں پر جدید پوڈر ہونے لگا۔ گھر کی ذرا ذرا سی چیز مانجی گئی۔ صاف ٹیگئی زر کی طرف سے مالدار آمرا حکایت کنند۔ اب دوسرا پہلو بھی نواسہ کی تشریف آوری سے قوی ہوگیا۔ ایک میراثی بھی گھر کا ہوگیا۔ اس خوشی کا کیا پوچھنا۔ مثل مشہور ہے جیسی روح ویسے فرشتے اللہ باندی کی چودھرائن چلول والی نظیر تھی۔ لیکن انکو ان سے کسی قدر نفرت تھی۔ وجہ یہ تھی کہ پارہ کی ممتا کی لونڈی وزیرن اور وزیرن کی بہو روہ نظیر۔ گو در گو۔ عجیب الطرفین۔ پھر انکی صاحبزادی بچہ اچھو رضا حسین ڈیرہ دار سے ہے جنکی خدمت میں امراؤ کا لڑکا ظہور ہر وقت پیش رہتا ہے۔ اس سبب سے چاول والی اس سے نشیبی کی مستحق نظر نہ کی جاتی تھی۔ اور چودھرائن کا یہ خیال کہ آبادی جان گوری بی بی کی لونڈی ایک گورے سے پیدا ہوئی۔ اللہ باندی کھلونہ بھانڈ سے پیدا ہے امانی کی ماں آپنی موجود ہے۔ یہ سب تحقیقی ہے۔ کس کی ذات میں کون پٹہ لگا سکتا ہے۔ آخر اتفاقی کی بم پھوٹ نکلی۔ چار رنڈیوں کی چودھراہٹ کے کتے کے منہ کی ٹڈی ہوگئی۔ دلوں میں نزاع پڑ گئی۔ آپس میں کھٹ پٹ شروع ہوگئی۔ ظاہر میں تو کچھ دبے چھپے لفظوں کے مارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ایک ڈھاری خان کی رسائے کچھ خلاف تھی۔ یہ چودھراہٹ کی گندی بھی ٹھکانے سے نہ تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ کالی امراؤ کا حق ہے۔ کوئی کہتا تھا گوہر کے دم تک چودھراہٹ کا منصب ختم ہوگیا۔ چونکہ چاول والی نظیر اپنی دال گلا چکی تھی ؎

[illegible]

چودھراہٹ کی بھنی دال کو [illegible]

کہیں لونڈیوں سے یہ کام چلے ہیں۔ آخر شیطان کی مدد سے تگا فضیحتی گالی گلوچ جوتی پیزار کے بعد اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ کی ٹھہری۔ ادہر چودہرائن کو یہ خیال کہ اب نواسہ پیدا ہوا ہے۔ اللہ باندی دل کا بخار نکالنے کو جلسہ ضرور کرے گی۔ چھٹی قریب ہے۔ رنڈیاں میری بال باندھی لونڈی ہیں اپنی غرض کو آپ ہاتھ جوڑینگی۔ منتیں کرینگی۔ قدموں پر سر رکھیں گی۔ ایسے موقع پر نہ دیں تو کب دینگی۔ ادہر اللہ باندی کا یہ دماغ کہ مبلغ علیہ السلام کی بھرمار ہے۔ درجنوں نوکر ہیں۔ دوپہر کے الگ۔ شام کے الگ۔ رات کے الگ۔ صبح کے الگ۔ چودہرائن تو مجکو ہونا چاہئے تھا۔

اصل جھگڑا یہ تھا۔ کہ چند ڈہاڑی اسبات پر کھنچے ہوئے تھے۔ کہ رنڈیاں ہمارے یہاں حصہ بھیجا کریں نظیر کو یہ عذر کہ جس طرح یہ لوگ ہمیشہ سے اپنا حصہ لیجاتے تھے بدستور سابق وہی طریقہ رکھیں۔ کیونکہ یہ ہمارے ہاتھ کی دیکھنے والی قوم ہے۔ اللہ باندی یہ کہتی تھی کہ جیسے سر پڑے اسوقت منت خوشامد چاپلوسی سے اپنا کام نکالو۔ دوسرے چونکہ خود ڈومنی تھی اسکی کور بھی خود ڈہاڑیوں کی طرف دبتی تھی۔ جھٹ عاشق علی والے سارنگیوں سے گٹھ گئی۔ مگر نجو خاں والے سازندے مبارکباد کے جھگڑے کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔ گویا طبلیہ سوائے نبی خاں کے ایک بھی نہ تھا۔ تمام تن تن زی خاں خلاف تھے۔ جب ادہر سے پکی پوڑہی ہوچکی۔ تو منہ چھونے کے طریق سے نظیر جان کے پاس گئیں۔ اور بہت کچھ رد و قدح ہوئی۔ یہاں تو پہلے ہی کھچڑی پک چکی تھی۔ نظیر کے قانونی دلائل نے کچھ اثر نہ کیا۔ اور اس کا منصوبہ اس کے ذہن کے بیچوں بیچ میں اچھی طرح نہ جما۔ کچھ پہلو تہی کی۔ کچھ کہن کہنائیں۔ اس نے کہا مانو تو مانو۔ نہ مانو تو اپنے گوبند کو یاد کرو۔ تم اسی طرح پسٹر جاؤگی۔ تو میرا دفتر کیونکر قایم رہیگا۔ مثل ہے کہ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ یہ کھٹ سے علیحدہ ہوگئیں۔

چھٹی کی بارات کا انتظام ایک پرانے چھتے کی طرف سے ہونیوالا تھا۔ ۹ فروری ۱۹۰۷ء کی سہ پہر کو چھٹی کا جلوس سرچوک بیک بینی دو دو گوش نکلا۔ بکر منڈی سے بقرعید کی بچی کھچی راسیں خریدلیں گلے میں رسی اور رسی میں گلا۔ بکریوں کا گلہ جاچکا۔ تو مرغیوں کا ڈربہ کھل گیا۔ کچھ پٹھیل اور کچھ بڑہیل کچھ سبزوار کچھ اصیل۔ کچھ ٹینی کچھ کرکناتھ۔ اس میں نخاس کی رعایت کا خیال ملحوظ خاطر رہے اس کے بعد کرایہ کی کھلی ہوئی گاڑیوں پر دو چار رنڈیاں بھیگی بلی بنی ہوئیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ لیکن اچھی صورتوں کے ساتھ گھٹیل بدشکل بڑہیوں نے بیٹھکر دیکھنے والوں کے گناہوں کا کفارہ کردیا تھا کبھی منہ سے صل علیٰ نکلا۔ تو معاً لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے کی ضرورت ہوئی

۹ و ۱۰ فروری کی شب کو جلسہ قرار دیا۔ نظیر نے شیطانی حد جاری کر کے رنڈیوں کی ہڑتال کر دی تھی۔ انکی بانکاٹ سے روسی جاپانی جنگ کا مزہ آگیا۔ لاکھ جوڑ توڑ کئے۔ ہاتھ پاؤں مارے۔ مگر ایک اللہ کی بندی نہ منکی۔ استعمالی چودہرائن کو پانی پی کے کوسنے دئیے گئے۔ سارا جلسہ غتر بود ہو گیا۔ چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ کانپور۔ فرخ آباد تک دہائی تہائی مچائی۔ خبرے نباشد اوہر سے زور ڈالا۔ پکڑے دہکڑے۔ دو تین بسر خندیان پنچنیاں مرتبہ رنڈیت سے گری ہوئی بمشکل تمام دستیاب ہوئیں۔ وہ بھی وحشت میں آکر تھے پرسے اکھڑی جاتی تھیں ع

گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است

عالیہ والی ننہی لالو کھلونہ کے خدمتگار کے دباؤ سے مجبوراً ادہر لنڈہک آئی تھی۔ باندے والی محمدی یہ سب گنتی کی چار رنڈیاں چوسر کی گوٹوں کی طرح ایک خانہ میں بٹھا دی گئی تھیں۔

پہلے خود لڑکے کی اماں بی ننہی ناچیں گائیں۔ اس کے بعد عالیہ خانم والی ننہی و محمدی نے دفع الوقتی کی۔ سارنگئے بیشک پانسے کی طرح لنڈہکتے پھرتے تھے۔ پھر صادق علی خاں۔ بڑے منے خان بلیان لڑایا کئے۔ اس کہنہ گدڑی میں میل ملانے کے واسطے ممولا بائی کی کنیز کی بھتیجی ادہا بگن بھی اسی طرف ٹوٹ کر آرہی۔ گدیا ٹاٹ کی انگیا پر مونجھ کی بخیا ہو گئی۔ ان کے برادر ہمزاد سجاد بھی اپنا باجا نیچے سروں میں الاپا کئے۔ اس کے بعد عطائیوں میں خواجہ بدیع نے بھیرویں میں میلاد شریف خوب پڑہا ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

باقی رات بھر بھیروں ناچا کیا۔ صبح کچہری برخواس دانہ نہ گھاس۔

فلک کجرفتار نے اس اصلی خوشنودی اور مسرت کے نشہ کو اتارنے کے واسطے جس چاشنی کا استعمال کیا۔ وہ دونوں کے حق میں زہر سے کچھ کم نہ تھی۔ نظیر جان کو یہ غم کیا کم تھا کہ جو دہرہٹ میں بٹہ لگا۔ ڈہاڑیوں میں خفت ہوئی۔ کچھ رنڈیوں سے چشمک ہوئی۔ رقابت کا بازار گرم۔ چوروں نے تاڑ لیا۔ ہو نہ ہو یہ دولت کا نشہ ہے۔ اس کے پاس ضرور اگلی گھر چن ہے۔ کیونکہ بہت سے گھر گھائل کر چکی ہے۔ پرانی خرانٹ ہے۔ آخر رات کو سات طبق زمین کے توڑ کر کارکنان قضا و قدر سیند لگا کر کلیجے کے ٹکڑے زر و جواہر نکال لے گئے۔ صبح اٹھتے ہی دھک سے کلیجہ ہو گیا۔ زمین پاؤں تلے سے نکل گئی۔ اپنی ضعیفی۔ لڑکی کی بدقسمتی یاد کر کے زار و قطار رونے لگی۔ پولیس سرگرم تحقیقات رہی۔ مگر مال کھانیوالے ٹھاکر مہراج کا پتہ لگانا

کچھ دل لگی بازی تو تھا ہی نہیں۔ قسمت میں دولت ہوتی تو گھر سے کیوں جاتی۔ ایک جبہ بنلا۔ اور ڈنڈوت کرنا پڑی۔

اللہ باندی کو جلسہ کی تباہی۔ روپیہ کی بربادی محفل کی بیرونقی کا داغ نہ بھولا تھا کہ زمانہ نے ع

یک داغ نیک ناشدہ داغ دگر نہد

عشرۂ محرم میں ماتمی لباس پہنے ہوئے سوگواروں کی شکل بنائے ہوئے تال کٹورے کی کربلا کے پھاٹک کے سامنے والے کمرے سے ماتم واران حسین کا دلکش نظارہ دیکھکر اشک شوئی کر رہی تھی۔ یکایک کسی تیرنگہ کے گھائل کو یہ اداناگوار خاطر معلوم ہوئی اور جوڑ توڑ کر کے بڑی سبکدوشی سے پابدست دگرے۔ دست بدست دگرے کر کے نکلوا دیا۔ بیچاری بڑی یاس و نا امیدی سے وہاں سے یہ کہتی ہوئی نکل آئی ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

اب یہ غریب و نزلات فریاد کیا کرتی ہے۔ اور نظیر جان فریادرس آلہی والی مناجات پڑھکر دل کو تسکین دے لیتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ملال مفلسی میں پھنسا +

ضرورت ہے

آجکل ضرورت ہے کا مرض بہت زیادہ پاؤں پھیلائے ہیں۔ جس کو دیکھئے ضرورت ہے ضرورت ہے سنئے تو لفظ خیال کیجئے۔ تو بیضرورت اخبار کے کالم سیاہ کئے جاتے ہیں۔

"ضرورت ہے" ایک ایسے خریدار کی جو دوگنی چوگنی قیمت دیکر مال منگوالے۔ اسی طرح ضرورت ہے کی بیماری عالمگیر ہوگئی اور کوئی اخبار اس سے خالی نہیں جاتا۔ اس کشمکش سے مجھکو شک ہوا کہ شاید میری ضرورتیں رب کرنہ رہجائیں۔ لہذا اس کا اعلان بذریعہ اخبار مناسب سمجھتا ہوں تو جواب دفتر میں آنا چاہیئے۔

"ضرورت ہے" ایک ایسی ماما کی جو گھر سے مالدار ہو اپنا کھائے ہمارا راگ گائے کھانا پکائے چکی پیسے برتن مانجے۔ جھاڑ دے۔ منہ دھلائے۔ نہلائے دل بہلائے۔ رات کو پاؤں دبائے صورت شکل اچھی۔ نہ چڑیل ہو نہ حور کی بچی ہو، امانت دار ہو سخت شمار۔ کم خرچ بالانشین۔ انجام بیں۔ اکیلی ہو کنبہ میں کوئی دوسرا نہ رکھتی ہو۔ تنخواہ مانگتے ہوئے شرماتی ہو۔

"ضرورت ہے" ایک ملازم کی پڑھا لکھا شریف گھر سے خوشحال ہو۔ بغیر کوڑی پیسہ سودا خرید لائے۔ دن کو مزدوری کرے جو دو چار پیسہ لائے اس میں نصف مالک کا حصہ الگ نکالے۔ شام کو بھیک مانگے۔ اچھے ٹکڑے اپنے کو دے اور سوکھے آپ کھائے۔ نمک حلال ہو گھوڑے کی گھاس چھیل لائے۔ اونٹ کا چارہ لائے۔ بیل کو سانی کھلائے۔ پانسو روپیہ نقد ضمانت کا ہمارے پاس جمع کردے۔ تنخواہ دیدہ خواہ شد۔

"ضرورت ہے" ایک سوداگر کی منافع کم۔ مال چوکھا دکھائے۔ ایماندار ہو بیوقوف ہو حلیم ہو باادب ہو۔ اشیائے ضروری مہیا کرسکے۔ دیوالیہ نہ ہو۔ مال دیکر دام مانگنے کی ہوس نہ رکھتا ہو چھچھورا نہ ہو۔ قرض دینے میں حاتم ہو۔ گھر میں قارون کا خزانہ رکھتا ہو۔ ٹٹ پونجیا نہ ہو۔ عدالت سے ناواقف ہو۔ صاحب مروت ہو۔

"ضرورت ہے" ایک اخبار کی ہفتہ وار شایع ہوتا ہو۔ پولیٹیکل سوشل مضامین نمک مرچ لگاکر لکھتا ہو۔ مذاقیہ آرٹیکل میں یدطولا رکھتا ہو۔ ایک ایک فقرہ پر لوٹن کبوتر بنادے۔ ڈنکل

کے اہم واقعات پر دلچسپی سے بحث کرتا ہو۔ نامہ نگار اچھے رکھتا ہو۔ مضامین چٹ پٹے ہوں۔ ضخیم ہو۔ تعداد اشاعت قیاس سے باہر ہو۔ ایڈیٹر وثیقہ دار ہو۔ پریس ذاتی رکھتا ہو۔ دست غیب ہو۔ منیجر فتوحات کے وظائف پڑھا کرتا ہو۔ نہیں تو گھر بیچکر اخبار کی اشاعت کو باقاعدہ رکھتا ہو۔ نمونہ کا پرچہ مفت بھیجتا ہو۔ پیشگی قیمت طلب کرنا غیر مفید سمجھتا ہو۔ لمبے چوڑے نام والوں سے دس دس برس تقاضا نہ کرتا ہو۔ قاروں کی دامادی کا فخر رکھتا ہو۔ خزانہ شاہی کا مالک ہو۔ نا دہند خریدار کی شکایت نہ کرتا ہو۔ دامے درمے امداد کا طالب نہو درخواست خریداری معہ نمونہ اخبار کے آنا چاہیئے۔

افلاس فنڈ کی سالانہ رپورٹ

پھر پیٹ ہمارا خالی ہے

ڈیر پنچ۔ قومی دریوزہ گر ملکی ٹکر گدے مفت کے ٹکڑے کھا کھا کے اس قدر موٹے ہو گئے ہیں کہ قابل بیان نہیں۔ ملک و قوم سے طرح طرح کی آمدنیاں وصول کر کے چٹ کر گئے۔ اور پھر بھی انکا دوزخ بھرنیکا نام نہیں لیتا۔ برابر صدائیں لگائے جاتے ہیں۔ ڈاہائی چھوٹے صاحب کی تہائی منجھلے صاحب کی چوتھائی بڑے صاحب کی ہم بھوکوں مرے جاتے ہیں۔ اصل یوں ہے کہ دن روپی فنڈ۔ قحط فنڈ۔ زلزلہ فنڈ۔ آڑ فنڈ۔ روٹی فنڈ۔ دال فنڈ۔ حرام فنڈ۔ سود فنڈ۔ بکر کود فنڈ۔ روس فنڈ۔ جاپان فنڈ۔ جاڑا فنڈ۔ گرمی فنڈ۔ برسات فنڈ۔ مرغی انڈا توس فنڈ۔ الم فنڈ۔ غلم فنڈ۔ میں چندہ دیتے دیتے اب ہم مفلس ہو گئے۔ گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھے پھرتے ہیں پھر ایسی صورت میں ان ہٹے کٹے فقیروں کو جنھوں نے ہزاروں امیروں کو فقیر کر دیا کہاں سے دیں۔ لہذا افلاس فنڈ کی سالانہ رپورٹ مرسل خدمت ہے۔ ملاحظہ فرما کر حکم مناسب صادر فرمائیے۔

وہو ہذا

بدنام خلق میں ہے کیوں نام مفلسی کا کرتے ہیں ہم تو خود ہی سب کام مفلسی کا

دولت لٹا رہے ہیں اپنی شراب پی کر
گویا چڑھا رہے ہیں یہ جام مفلسی کا

شادی میں رنڈیوں کا جلسہ تمام شب ہے
کیوں صبح کو نہ آئے پیغام مفلسی کا

ذلت پسند ہیں ہم محنت سے بھاگتے ہیں
بیجا نہیں ہے ہم پر الزام مفلسی کا

کھیلا جوا تو ایسا کوڑی نہ پاس رکھی
احسان مفلسی کا اکرام مفلسی کا

اس مفلسی کے ہاتھوں بدظن ہیں سب مہاجن
ناراض سیٹھ جی ہیں انعام مفلسی کا

سرخط لکھا لیا ہے اس بے زری نے ہم سے
کاتب ہے فاقہ مستی اسٹام[1] مفلسی کا

افلاس کے سبب ہیں حاصل فروغ مجھکو
مشہور ہوں جہاں میں گلفام مفلسی کا

اے مفلسی اٹھا لے اب تو جہاں سے مجھکو
اے بے زری مٹا دے الزام مفلسی کا

ہر ایک کا تقاضا ہر ایک کا تقاضا
آغاز میں نہ سوچے انجام مفلسی کا

ہیں گورخر مہاجن جو بھاگتے ہیں ہم سے
ہمکو سمجھ رہے ہیں بہرام مفلسی کا

قومی برادروں نے کس کس طرح سے لوٹا
ان بھک منگوں نے بھیجا پیغام مفلسی کا

کیا ابخرات زر کے سر میں سما رہے ہیں
گھیرے ہوئے ہے ہمکو سرسام مفلسی کا

افلاس مجھکو باتیں سنوا رہا ہے صدہا
گویا غلام ہوں میں بیدام مفلسی کا

ایمان ہو جو قایم تو مفلسی نہ آئے
دشمن قوی ہے گویا اسلام مفلسی کا

آخر تماشبینی ہمکو چڑھا کے لائی
تھا عرش سے بھی اونچا کچھ بام مفلسی کا

اخبار کی بھی قیمت دینے سے منہ چرایا
پبلک میں ہم پہ آیا الزام مفلسی کا

آنکھیں چرا رہے ہیں خوش چشم آج ہم سے
تلخی یہ مارتا ہے بادام مفلسی کا

افسوس اب بگڑ کر بننے کا دھیان آیا
آغاز میں نہ سوچے انجام مفلسی کا

[1] اسٹامپ کی پ چندے میں دے ڈالی گئی۔

چونچ ٹوٹا اُلّو

چونچ ٹوٹا ایک اُلّو ہے کہو کیسی کہی
دوسرا بھی ابن ہشو ہے کہو کیسی کہی

جھنجھائی محلے میں طرح طرح کے جانور چڑیمار لاتے تھے۔ اتفاق سے ایک عجیب غریب قسم کا جانور سانکھو کے ایک سوکھے ٹھونٹ پر بیٹھا ہوا کلیلیں کر رہا تھا۔ چودھری ہیرامن بھی اپنے کندھے پر جال ڈالے اور لاسہ لئے ہوئے جا رہے تھے۔ جھٹ کپا لگا دیا۔ جانور ہشیار تھا مگر قسمت میں کچھ دنوں قفس کی سیر لکھی تھی اوندھے سیدھے گھسٹتے ہوئے چلے آئے۔ اب جو غور سے دیکھتے ہیں تو اُلّو ہے۔ مگر چونچ ندارد۔ ہیرامن تو صورت دیکھتے ہی مایوس ہو گیا اور اس کے فروخت ہونے کی امید سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

کیونکہ اس کے پاس وچارا اُلّو کر بچی آنکھ چٹی ناک سرخ سفید مہینوں سے چھیچھڑے کھا کھا کے موٹے ہو رہے تھے۔ اور کوئی پوچھتا نہ تھا مگر چار ناچار نخاس دکھایا گیا۔

ادھر دوالی قریب تھی۔ ایک سفلی کے عامل کو بھوالی کی بھینٹ چڑھانا تھی اور عمل کو جگانا تھا۔ وہ بھی ڈھونڈھتے ہوئے سویرے سویرے نخاس پہونچے اور ان کو اونے پونے مول لے لیا۔

رات کو عمل شروع کرنے کے واسطے بھینٹ چڑھانے کے لئے چھری اٹھائی تو اُلّو بھی کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو بولنے لگا۔ مگر الفاظ بے ربط۔ بے تکے۔ وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے۔ جیسے حمل کو حمل نہر کو نہر آنی تھی۔ جانی تھی۔ کھانی تھی۔ ناچنی تھی۔ گانی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ چونچ کے نہ ہونے سے الفاظ اکھڑے ہوئے ادا ہوتے تھے۔

عامل صاحب نے جب یہ دیکھا عمل کو درگذر گیا۔ چھری پھینک دی۔ اور اس اُلّو کو اردو الفاظ رٹانا شروع کئے۔ کچھ مدت میں مار پیٹ کر رواں کر دیا۔ رفتہ رفتہ قسمت کی یاوری اور چند بے وقوفوں کی مہربانی سے ایک اخبار کا اڈیٹر ہو گیا۔ مگر تہذیب اور آدمیت آنا

تو شوار تھی۔ وہی گدھے پن کی باتیں اور بیوقوفی مورونی حصے میں آئی۔ شیطان کی مدد سے کچھ شہدا پن آگیا۔ دوسرے سئیاں شہدے نے اپنا شاگرد کیا تھا۔ اس کی تربیت کا اثر اور سونے میں سہاگے کا کام دینے لگا۔ ہر ایک کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ دو چار اسی منش کے شریک ہو گئے۔ اور وہی ہانک بولنے لگے۔ اتفاقاً ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب سے اُلجھ پڑا۔ انھوں نے جو غصے میں دو اچھر پڑھکر پھونکے تو چڑا کی زبان بند ہو گئی۔ لاکھ پکارو منہ سے نہیں بولتا۔ بات چیت کو محتاج ہے۔ مہربانی فرما کر کسی صاحب کے پاس زبان بندی کا اُتارا ہو تو اس چونچ ٹوٹے لونکی جان پر رحم فرما کر دریغ نہ فرمایئے اگر منہ سے حرف پھوٹنے لگا تو آپ کو دیدیا جائے گا۔

کندۂ ناتراش

فالباً آپ لوگ مجھکو نہیں جانتے۔ میں شاعر ہوں۔ میں نے اپنا تخلص ابتک نہیں رکھا۔ کیونکہ آمد سے سائی ہے۔ جس شاعر کی غزل اچھی ہوتی ہے مقطع خارج کرکے میں اپنے نام سے شایع کر دیتا ہوں طبع کہنے کی بھی تکلیف نہیں اٹھاتا ہوں۔ میری قوم فخر کے مارے گپا ہوئی جاتی ہے۔ خاصکر ایک ورزن یاد رہیں چہ شک میری بہت مداح ہے۔ سب "لیڈر" ہیں۔ میں "لڈر" ہوں۔ کیونکہ میں ہندو مسلمانوں میں کھنڈت ڈالنا چاہتا ہوں۔ مشہور ہے مصرع

ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس میں رکھتے ہیں

میں بھی مولویوں کا اور پنڈتوں کا جانی دشمن ہوں۔ بس چلے تو خون پی جاؤں۔ سفید سیاہ میں کچھ تمیز نہیں کرتا۔

میں مدرسین کی خاطر توجہ سے بی۔ اے ہوں۔ میں اپنی شہرت چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ گالیوں اور ذلتوں سے حاصل ہو۔

مثنوی والے قصہ میں میں نے کچھ شیطان سے کم کام نہیں کیا۔ ادھر بچے کو گدھا بنایا۔ اُدھر اپنی قوم کے احمقوں کو برانگیختہ کیا۔

میرے نزدیک مثنوی پر تمام اعتراض بیجا ہیں۔ آتش۔ ناسخ اور تمام اُردو کے شاعر

زبان نہیں جانتے تھے کیونکہ ان میں مطعون ہونے والی زباندانی کا حصہ موجود نہ تھا۔ زبان مصنف مثنوی جانتے تھے یا میں جانتا ہوں۔ زباندازی میرے حصہ میں ہے۔ چاہے بعد کو بخوبی درست ہو جائے مثنوی پر جتنے اعتراض ہوئے سب غلط۔ جتنے شاعر ہیں سب جھوٹے۔ جتنے لغت ہیں سب غلط۔ میرے نزدیک تمام مطبع غلط خود غلط املا غلط انشا غلط۔ مثنوی ہر طرح صحیح۔ اس کو میری آنکھوں سے دیکھو وہ پھوٹی آنکھ کا دیدہ ہے۔ اگر اسکی شاعری نہ رہی تو تمام دنیا سے شاعری کی دولت نکل جائے گی۔

میرے پاس ایک کتاب اینٹ الپزادہ کاکوری کے گدھے پر لدکر آئی تھی۔ حضرت آدم سے پیشتر کی چھپی ہوئی۔ مصنف کی خاص مہر لگی ہوئی۔ اس کو سوا ے میرے اور کاکوری والے گدھے کے کسی نے نہیں دیکھا۔ اب بھلا میری تحقیقات کو کوئی کیا پا سکتا ہے؟

حمل پر اعتراض بیجا ہے۔ بہ حرکت میم بہت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ اصل میں حمل تھا۔ جیم کے پیٹ کا نقطہ گر گیا حمل رہ گیا۔

بعضے میگویند کہ اصل اس کی مہمل تھی۔ میم کو فارسی والوں نے کھا لیا اور اس کا پیش فتح سے بدل کر دوسرے میم کے سر پر پھینک دیا۔ ہائے ہوز بالکل ساکن تھا اس کو بھی زبردستی فتح دے دی۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ تو اب مہمل ہائے ہوز سے بفتح میم ہے۔ میرے پاس کتاب موجود ہے۔ دوسرے سجادی بیگم کی دو ورقی میں بھی چاروں صفحوں پر یہی لکھا ہے اب میں کسی شاعر اور کسی لغت اور کسی اہل زبان کو نہیں مانوں گا۔

میں کچھ مکتب خانہ کا پڑھا ہوا تو ہوں نہیں۔ نہ یہ غلط کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ ماسٹر صاحب نے زیر زبر کی حرکت مجھکو سمجھا دی ہے۔ کوئی لاکھ کہے میں ہرگز نہ مانونگا۔ کہ حمل میں حرکت نہیں ہے۔ میں نے خود حرکت کی تھی۔ دوسرے ماسٹر صاحب کی بیجا حرکتوں نے مجھ کو بخوبی سمجھا دیا ہے کہ کوئی لفظ بغیر حرکت کے ہوتا ہی نہیں۔ کوئی جانور حرکت سے خالی نہیں۔

روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر

ایک نائی کی سرگذشت

حجام نے اپنے آبائی پیشے کو بہت کچھ چھپایا۔ مگر جب کوئی صورت روٹیوں کی نہ نکلی تو پھر رفتہ رفتہ اپنے قرینے پر آرہا۔ آخر مجبوراً استرا پکڑنا پڑا۔ اور اقرار لسانی بھی کرنا پڑا۔ درحقیقت یہ عرب کے اونٹوں کے ساتھ دھوکے سے بندھا ہوا چلا آیا تھا۔ باپ کی طرف سے حجام ہے۔ اور ماں کی طرف سے دائی والا ہے۔

ختان الجواری کا مسئلہ اس نے اپنی والدہ سے حاصل کیا۔ اور گھر ہی میں مشق بہم پہنچائی رفتہ رفتہ مسلمانی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ حجامت کی ابتدا احمق الذین سے شروع کی۔ پہلے پہلے اُنھیں کو مونڈا۔ پھر اپنے ہادی پر ہاتھ صاف کیا۔ اب تو ماشاءاللہ سے حظ کی ایک ایک کھونچی اکھیڑ لیتا ہے۔ یہ کوئی گھس کھدائی نہیں ہے۔ کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ جس طرح بندر کے ہاتھ استرا لگ گیا تھا۔ یہ بھی اسی قسم سے ہو۔ نہیں نہیں بالتحقیق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ قدیمی حجام ہے۔ بعض لوگ دھوکا کھاتے تھے۔ کہ شاید یہ اناڑی نہ ہو تو وہی مثل صادق آئے کہ "کٹے ججمان کا سیکھے نائی کا" اگر استرا پکڑنے کی تمیز نہ ہوتی۔ تو پنچ میں کبھی استہار نہ دیتا۔ استرا بھی ایسا ہے جسکی یہ روایت مشہور ہے کسی نے کہا مٹھو نائی نے کہا راجہ کے بڑے بڑے کان۔ بیچارے نے سب حال تو اپنا آئینہ کر دیا اب بھی ججمان لوگ متوجہ نہ ہوں تو جائے تاسف ہے۔ ایک رئیس نے کہا تھا آگے کا اٹھا ہوا کھانا ملے گا۔ اور پانچ روپیہ مہینہ۔ روز چھوٹے بھیّا کا سر مونڈنا ہوگا۔ سیتا پور لئے جاتے تھے۔ ریل پر کسی نے تہمد باکہ کہاں لئے جاتے ہو وہاں روز مسلمانی کی ریل پیل ہوگی۔ خوفزدہ ہوکر بھاگ آیا۔ لاکھ سمجھایا کہ تم کو اس کا تخت علیحدہ سے ملیگا۔ مگر یہ کب ماننے والے تھے۔ ختنے کے نام سے فوراً جھجکتا ہے۔ کیونکہ اپنے گھر میں تو اسکو ختان الجواری سے سابقہ پڑا تھا۔ اور یہاں ایک بھاری کام کا مقابلہ ہو جاتا ہے۔ تو مارے شرم کے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ہاں حجامت میں اُستاد ہے۔ ایک دفعہ کو تو اُلٹے اُسترے سے مونڈ چکا ہے۔ اور حجامت کی رعایت سے جونیئر کا خطاب حاصل کیا ہے۔ اسوسطے

کہ جون کا قطعی دشمن ہے۔ اب کسوت الدولہ کا لقب دیکھیے کس منہ سے کسی سے ملتا ہے۔ مگر کسوت کی صفائی کا اس کو خیال نہیں۔ کنگھی بدقلعی لاتا ہے۔ کنگھی کے دندانوں میں میل بھرا رہتا ہے۔ استرے بال کم لیتے ہیں۔ چمڑا نان خطائی سمجھ کر خود کھا گیا۔ آئینہ اندھا رکھتا ہے۔ قینچی کے خانے گھیرے دکھاتا ہے۔ بال کا پتہ نہیں۔ سکی گھسی ہوئی لاتا ہے۔ ناخن گیری تو ہے ہی نہیں۔ کسی چھاپے خانے سے حرف تراش چرا لایا ہے۔ میچنے کی ضرورت نہیں۔ اکا دکا بال ہاتھ سے پکڑ کے اکھیڑ لیتا ہے۔ کسوت چمڑے کی ہے مگر پھٹی ہوئی۔ دن بھر حجامت بناتا ہے رات کو بدن بھی داب لیا کرتا ہے۔ اس میں بھی دو چار پیسے مل جاتے ہیں۔ سخاوت پر داغ عظیم اللہ خانی رکھتا ہے۔ بات بات میں استرے پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ جب پوچھو یہی کہتا ہے خداوند نائی اگر غریب سے غریب بھی ہوگا۔ تو دو چار اشرفیاں ضرور ہونگی ضرورت کے وقت منکسر المزاج بھی ایسا کہ باید و شاید۔ عید بقرعید کو مٹی کا پیالہ ہاتھ میں روٹیوں کا تھیلہ بغل میں لٹکا ہوا ہے۔ اور آپ دروازے دروازے پکار رہے ہیں "خدا سلامت رکھے نائی کی تہواری اور روٹی مل جائے" کسی نے چار پیسے چار چپاتیاں دو آلو پکڑا دیے۔ تو اب ان کی خوشی کا کیا کہنا۔

حمام اس کا بالکل بھٹ کھارتا ہے۔ جو کوئی اندر جاتا ہے۔ بہت پچھتاتا ہے۔ ہاں پانی چھوڑنے میں حاتم ہے۔ کھیسا اور بین وانی لئے ہوئے ہر وقت موجود رہتا ہے۔ کوئی زبردست خان گھس آتا ہے۔ تو کھینچے نکال دیتا ہے۔ ناتواں اتنا ہے کہ سر ملنے میں حوض ہو کے رہ جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر وقت رومال لئے کھڑا رہتا ہے۔ پہلے تو لئے سے بدن پونچھتا ہے۔ پھر لنگی دیتا ہے۔ نہانے کے بعد خراب پانی اس کی مہری سے بہ جاتا ہے شیر مادر اتنا ہے کہ کسی کو استرا لیتے ہوئے دیکھتا ہے تو سہ پھیر لیتا ہے۔

منشی ..... صاحب کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک نائی کے لڑکے نے چوک کے ایک عطر والے حافظ جی صاحب کو عیش باغ کے میدان میں سر کا دبا تھا۔ بیچارے کو مشکوک حالت میں بڑا گھر دیکھنا پڑا۔ یہ معاملہ سب پر روشن ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔ سننے میں آیا ہے کہ انکی بدولت اس کے گھر میں عطر تیل کی ریل پیل رہتی ہے مال مفت دل بے رحم۔ دال میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

منّے حجّام کی مرمّت

مولانا ظریف۔ بے شک میں سوختہ بخت سیاہ نصیب ہوں۔ کہ میری اولاد ناخلف بیکس کا لگا۔ دُم کٹا لنگور۔ کنکر کوٹنے کا ورمٹ۔ لاسے کی چھڑ۔ عوج بن عنق کا تیسرا پاؤں۔ لے وال کا بودم۔ شتر بے مہار۔ عینک باز بدمعاش۔ وحشی کتا۔ لمبو بے ڈول۔ جلے پاؤں کی چھچھوڑ خدا کی شان اپنے باپ کی تعریف میں کسوت عبادی سے یوں اعتراف کرے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور اس خفگی کا باعث یہ ہے کہ حکیم نے اپنے بھتیجے کی مسلمانی کا جوڑا اس کو نہیں دیا تھا۔ بس اب کیا تھا۔ کٹے ہوئے کنکوے کی طرح کنوں سے اُکھڑ گئے۔ لاکھ ڈر کنکوا دکھاؤ مانتے ہی نہیں۔ کچھ تو اپنے ہادی کا زور اور کچھ چودھراہٹ کا بل۔ خفا ہوئے تو آپ کے منہ کا تھوتھن لٹک آیا۔ اب جمعہ جمعہ حظ بنانے کے واسطے بلاؤ دماغ ہی نہیں ملتے۔ جی حضور اُسترے باڑھیے کے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ خداوند قینچیاں اُترگئی ہیں۔ ناخن گیری کی باڑھ نہیں۔ مرزا صاحب کے بال کاٹ آئے۔ تو غلام حاضر ہوتا ہے۔ خانہ زاد کو آج کل قیصر باغ کے رجواڑوں سے چھٹی نہیں ہے۔ تا بعد ارسہ پہر کو حاضر ہوگا۔ ایک مرتبہ بعد دخل در معقولات کے صبح کو اصباح نہانے کی ہوئی۔ حمام میں گیا۔ تو کیا کہتا ہے حضور یہ کل کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے۔ لاکھ آنچ کر گرم نہیں ہوتا۔ دیکھئے پھر رات سے پھونکتے پھونکتے آنکھیں پھوٹ گئیں۔ لیکن پانی برف کی طرح جما ہوا ہے۔ کسی طرح پگھلتا ہی نہیں ہے۔ اسی وقت حظ بنوا لیجئے کل مجھ کو چھٹی نہ ہوگی۔ بڑی چودھراہٹ کے یہاں جلسہ ہے۔ نیوتہ دینے جاؤں گا۔ علاوہ ازیں انسانیت اور ہمہ دانی کے دعوے۔ لے اس کو اور بھی مٹا دیا ہے۔ اپنے دل میں سمجھتا ہے۔ کہ میں شاعر ہوں۔ نثار ہوں حکیم ہوں۔ جراح ہوں۔ چودھری ہوں سلور ..... نائی تو ضرور ہی ہوں۔ اس میں کوئی ایسا نہیں جو میرے نام سے ایک قصیدہ کہہ دے تو دو چار پیسے بھیک مانگ کھاؤں۔

حجامت کے چار پیسوں میں کیا ہوتا ہے۔ سفید پوشی کا شوق ہے۔ مارے شرم کے کسوت شالی رومال میں چھپائے رہتا ہوں۔ مولوی صاحب سے اس واسطے جلتا ہوں کہ کالے کے آگے چراغ نہیں جلتا۔ . . . . . دوسا میں وال نہیں گلتی کئی مرتبہ

(۱) حسینا ۔ خود کو فضو ۔ خورد

خیال کیا کہ مرزا صاحب کی خدمت میں فیضیاب ہوں۔ لیکن مبارک علی اور مولوی کے خوف سے ہمت نہیں پڑتی۔ ورنہ چغلخوری کی عادت تو مجھ میں ایسی ہے کہ شاید دبا دیں۔

غرضکہ اوصاف احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ فی الحال چند اشعار آبدار اس کی تعریف میں نظم کئے ہیں۔

عین ذلت کو سمجھتا ہے یہ عزت اپنی
کھول دیتا ہے جو ہر وقت حقیقت اپنی

گھر سے جس وقت نکلتا ہے یہ احمق جاہل
تو جتاتا ہے رئیسوں سے شرافت اپنی

خود ستائی کا مرض اسمیں سوا ہی سب سے
جاہلوں میں یہ بگھارا کرے حکمت اپنی

چودہری آپ کو کہتا ہے یہ حجاموں کا
اس لئے خود ہی جتاتا ہی حماقت اپنی

ظرف جو اوچھے ہیں از خود وہ چھلک جاتے ہیں
کہدو رہنے دے لیاقت کو ہدایت اپنی

مذہبی اس کو تعصب ہے تو ہو ہم کو کیا
کم نہ ہوگی کبھی واللہ ظرافت اپنی

غاد کو میں نے چپت دی تو اسے چھینک آئی
اندرونی وہ دکھاتا تھا لیاقت اپنی

ہم بھی موجود ہیں نائی کی مرمت کیلئے
اور کھلوائے گا کیا ہم سے حقیقت اپنی

بی سجادی کا شکایت نامہ مولانا کے نام

پیارے مولانا! قسم ہے اپنے سر کی اگر میں جانتی کہ تم اس معاملہ میں اس طرح بگڑ کھڑے ہوگے۔ ایسا جھاڑ کا کانٹا بن کے میرے پیچھے چمٹ جاؤ گے۔ تو کوئی ایک نہیں ہزار کہتا میں نوج ایسے مردوے کے بیچ میں پڑتی۔ اے میں تم سے کہتی ہوں۔ اللہ رکھے میں تو ہمیشہ سے تمہارے منہ چڑھی تھی۔ تم ہی مولانا ہو۔ ابھی چار دن کی بات ہے تم نے پردۂ عصمت نکالا تھا۔ مجال کیا تھی کہ کوئی تمہاری مخالفت کر جاتا۔ مگر میں نے کیسا کیسا مسخرہ پن کیا۔ کیسی کیسی دلگیاں کیں۔ تم ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا کئے۔ پرچ کا کوئی پرچہ خالی نہیں جاتا جو میں تمکو نہ سناتی ہوں۔ تمھارے نام سے میری دو ورقی کی رونق تھی۔ لوگ اس اخبار کو نہیں دیکھتے تھے جس میں سلامتی سے کچھ تم سے چھیڑ خانی نہ ہو۔ مضمون میں گرما گرمی نہیں آتی تھی جب تک تم سے نوک جھوک نہ ہو۔

میں نے تمھاری ذاتیات پر بہت سے ایسے حملے کئے۔ جس سے تم کو برا ماننے کا حق تھا۔ میرے منہ سے میرے ہوا خواہوں نے جو کچھ تم کو کہا تم نے شربت کے گھونٹ کی طرح پی لیا۔ یہانتک کہ بعض بعض تاڑنے والے بھانپنے لگے۔ کسی کسی کو تو یقین ہو گیا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ کبھی ایک آدھ منہ پھٹ میرے منہ در منہ کہہ گزرا کہ اچھا موٹیار پھانسا۔

میں نے کہا ہاں خوب کیا۔ کسی ایسے تیسے کا اجارا ہے۔ جس کو رشک ہوتا ہو اپنی ... کو بھیج دے۔ کیا کسی بھڑوے کی چوری ہے۔ ہم تو ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں ایک ادبی پرچے کے ساتھ بھی میری چھیڑ خانی برابر چلا کی۔ کچھ میری عادت ہو گئی تھی کہ ناحق بے ناحق تم کو جان جان کے ستاتی اور تمھارا منہ چڑھا دیا کرتی تھی۔

دوسرا پرچہ تو ادھر تم نے نکالا اور میں نے اوازے توازے شروع کئے۔ ایسی ایسی اوکھیاں سنائیں۔ وہ وہ ملاحی گالیاں دیں کہ بعض وقت تو میں اپنے جی میں خود شرمندہ ہوتی تھی۔ دوسرا ہوتا تو خدا جانے کیا کچھ کر ڈالتا۔ اور کیسی کچھ میری بیعزتی نہ کرتا۔ مگر اللہ رکھے تم

ہمیشہ خندہ پیشانی سے ٹالا کیے۔ کبھی تیور پر میل تک نہ آیا۔ مگر اب تو میں دیکھتی ہوں کہ تم سے مجھ سے علی کافر کا بیر پڑ گیا ہے۔ مجھکو پاتے ہو تو چھری کو نہیں پاتے ہو۔ چھری کو پاتے ہو تو مجھ کو نہیں پاتے۔ اور یہ سب موئے جلنے والے خوش ہو رہے ہیں۔

دم بھر کے واسطے تم غصہ کو تھوک دو تو خطا معاف ایک بات کہوں نہ تم نگوڑ مارا نیا پیچ نکالتے نہ مجھ کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔

آپ ہی تو پیچ نکالا۔ اس کے واسطے کیسی کیسی سر توڑ کوششیں کیں۔ کہ کسی طرح ہندو مسلمان گھل ملکر ایک ہو جائیں۔ ہندو کی لڑکی مسلمان کے گھر آئے مسلمان کی لڑکی ہندو کے گھر جائے تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں آپس میں مصالحت اور موافقت بغیر مناکحت کے نہیں ہو سکتی۔ مجھ ..... پٹی کی جو شامت آئی تو جھٹ تمہاری نصیحت پر عمل شروع کر دیا۔ جہاں کچھ لوگوں کے لڑکے بکلے میں نے بلا بلا کر دو دو گھنٹیاں سب کو پکڑا دیں میل جول پیدا کیا۔ آمد و رفت کی راہ نکالی۔ دانت کاٹی روٹی ہو گئی۔ وہی روش وہی چال۔ وہی چلن میں نے اختیار کیا۔ جو تم نے بتایا تھا۔ آخر کو وہی چائے پانی ہو گیا۔ اور ایسی گھل مل گئی کہ لوگ مجھکو بھی ان میں کا ایک سمجھنے لگے۔ کچھ دنوں اور چپ رہتے تو میری اولاد بھی انھیں میں مشہور ہو جاتی۔ اور دو چار جھول میں بھی نکال لیتی۔ بس فقط نام بدلنے کی کسر رہجاتی۔

مگر تم نے تو عین کو یال میں غلہ لگایا۔ ابھی اچھی طرح سے قارورہ آمیزہ ہونے پایا تھا کہ تم نے زن سے مثنوی پر اعتراض جڑ دیا۔ محلے بھر کے لونڈے روتے پیٹتے بھنبھیری کی طرح میرے آس پاس چکر لگانے لگے۔ اور زبان کے متعلق مجھ سے آ آ کے پوچھنے لگے۔ جھوٹ کیوں بولتی میں نے جان صاحب کے منہ حمل سنا تھا۔ دوسرے میں خود حمل بولتی ہوں۔ ایک مرتبہ میرا خود حمل گر چکا ہے۔ شاید تم کو یاد ہو تمہاری ہی تو شرارت تھی۔ مگر بڑا حمل ہے ہی کیا چیز۔ جب ذرا سی سے گھان میل ہو گیا۔ حمل موجود۔ مگر زیر زبر کی تحقیقات اور چھان بٹان کے ساتھ میں نے تمہارے ہی منہ سے سنا۔ میں ایسی سند ی کی چندی نکالنا تو جانتی نہیں یہ تمہیں کو مبارک رہے اسی طرح میں ہمیشہ لہر کہا کی۔ وہی میں جانتی ہوں۔ میری کا کوری میں بھی لوگ یہی بولتے ہیں۔ اب تم مردوں نے ایک ساکن اپنی طرف سے زبردستی اس میں لگا دیا تو لگایا

کرو۔ مجھ سے پیش نہیں پاؤ گے۔ وہ اور ہوتی ہونگی جو زیر ہو جاتی ہوں۔ خدا جانے کیا آفت ہے۔ نگوڑ مارے مردوں کو ہمیشہ اسی کی پڑی رہتی ہے۔ ذری ذری سی باتوں کے واسطے کٹے مرتے ہیں۔ ۷

"غرضکہ میں تو اس گمان میں تھی کہ میں جو کچھ کہوں گی۔ تم مروت میں مان لوگے اور سنسکر ٹال دوگے۔ مگر تمہاری غصے کی آگ ایسی نہیں بھڑکی تھی۔ کہ میری شیریں بانی کے آب سے دھیمی پڑ جاتی۔ تم پہلے سے بھرے بیٹھے تھے۔ کہ ناحق مجھ پر برس پڑے اور وہ وہ بتایا۔ ایسا ایسا نمک چھڑکا۔ کہ میرا ہی جگر کا کلیجہ تھا جو آج تک سنتی رہی۔ دوسری ہوتی تو کب کا زہر کھا لیتی۔ اے میں کہتی ہوں یہ اب کی تم کو کیا ہو گیا ہے۔ جو اس طرح بگڑ گئے۔ آنکھیں نیلی پیلی کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ دہی شاعر گھرانے کی ناک ہے۔ اللہ اللہ کر کے بڑی منتوں سے۔ بڑی مرادوں سے ایک یہی تو ایسا پیدا ہوا جو موزوں ناموزوں میں تمیز کرتا تھا۔ نظم نثر میں فرق کر لیتا تھا۔ جھوٹ کہتی ہوں تو دوسرا کوئی بتا دو۔ شنوی اس نے صحیح کہی یا غلط۔ موزوں کہی یا ناموزوں آپ کون تھے۔ اس کے ناز تو آتش نے اٹھائے۔ ناسخ نے اٹھائے۔ صبا نے اٹھائے۔ رند نے اٹھائے ایک نہ اٹھ سکے تو تم سے۔ زبان وہ نہیں جانتا تو کوئی دوسرا بتا دو جو زبان جانتا ہو۔ میرا تو قول ہے کہ مرد دے ایک سرے سے زبان جانتے ہی نہیں۔ مجکو جو اس خاندان سے واسطہ ہے تم کو بخوبی معلوم ہے۔ پھر جان بوجھکر انجان بنتے ہو۔

ہے ہے کچھ تمکو میرا خیال بھی نہ آیا۔ کہ وہ اجڑ گئی کیا کہے گی۔ خدا ہی سمجھے کہ جیسا تم میرے بچوں کو ستاتے اور کلپاتے ہو۔ بیچاروں نے مارے غم کے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ چار چار انگل شیرانی دھیلی ہو گئی۔

دن بھر میں دس دس دفعہ میرے پاس فریادی آتے ہیں۔ تم کو چاہیئے تھا کہ میرے منہ سے ان کی سرپرستی کرتے۔ جو کوئی دوسرا ان کو آنکھیں دکھاتا۔ اس کی آنکھیں نکال لیتے۔ مجھ کو مرنے کے بعد تم سے کیا امید رکھنا چاہیئے۔ جب کہ جیتے جی تم نے میرے بچوں کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ بھلا مجھ عورت ذات سے کیا الجھتے ہو۔ کسی مرد سے ایسے بولتے تو وہ تم کو مزا بھی چکھا دیتا۔ مجھ پر جو چاہو زبردستی کر لو۔ کیا کبھی اب مجھے منہ نہ دکھاؤ گے۔ ۔ تو ہی جو سب کے سامنے تم سے چھیڑ خانی نہ کروں۔ آخر تو ساری دنیا میں میری

ناک کٹ گئی۔ نہ معلوم کس کم بخت مونڈی کاٹے نے بھڑکا بھڑکا کر تمہارا دل میری طرف سے پھیر دیا۔ نہیں تو تم اپنی ذات سے ایسے نہ تھے۔ میرا تمہارا مدت کا سابقہ ہے۔ اور نہ میں ہی کچھ بدل گئی ہوں۔

لیکن اب نگوڑی باتیں سنتے سنتے میرا دل تم سے کھٹا پڑ گیا۔ آگ لگ جائے ان بھڑکانے والوں کو کیا خاک فائدہ ہوتا ہے۔ ہم تم پھر ایک ہو جائیں گے۔ اور یہ موئے جلتے کے جلتے ہی رہیں گے۔

میں تو تمہیں اپنا شوہر سمجھتی ہوں۔ یہ موئے تمہارے کوئی ہیں۔ ان کی بات کا برا ماننا ہی کیا۔ تم اتنا نہیں سمجھتے۔ موئے مثنوی والے سے مجھے کیا علاقہ صرف لونڈوں کی خوشی کی ایک بات میرے منہ سے نکل گئی۔ تو اس پر تم اتنا آگ بگولا ہو گئے۔

شیطان کے نام سے جو خط بھیجے تھے وہ درحقیقت شیطان نہیں ہے۔ بلکہ شیطانی حرکت سے جو بچے پیدا ہوئے ان کا نام میں نے شیطان رکھ دیا ہے۔ یہ سب خط انھیں کے تھے۔ لے اب غصہ تھوک دو اور مجھے اپنی صورت دکھاؤ۔ مہینوں سے اسی ارمان میں ترستی ہوں۔ دل میں نزاع اچھی نہیں۔ دیکھو ابھی تک میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی برائی نہیں آئی۔ میں نے تمہاری خاطر سے ..... پرچے میں ایک کارٹون کے ذریعہ سے مثنوی والے شاعر کی خاندانی زبان سنا دی۔ سچ کہنا ابتو خوش ہوئے۔ اور بکاؤلی کے باغ میں طرفداروں کو کیسا ٹھلایا۔ اسپر بھی تمہاری خفگی کم نہ ہو تو میں کیا کروں۔

طاعون والا خط دراصل تمہارے محلے والوں کے ڈرانے دھمکانے کے واسطے خود میں نے لکھا تھا۔ اور مجھے حق بھی تھا۔ کیونکہ جب شیطان کی خالہ ہوں۔ ہیضہ کی خالہ ہوں تو طاعون کی بھی خالہ ہوں۔

مرزا غادو والا منہ بھی تم شاید جانتے ہو اسی بڈھی گابھن بکری خضابو کا ہے۔ جو مرزا مستا کے گھر میں پلی تھی۔ تم وزا ان سب کی چند یا گر مادو تو مزا آجائے۔

حجام کی خوب مرمت کی۔ یقین تو ہے کہ آیندہ حکمت کی نہ بگھارے۔ اسی طرح دوستیوں کی وجہ تسمیہ نے لٹا لٹا دیا۔ مانتی ہوں استاد کیوں نہ یہ سیاں شہدے کا خط اور ہمارے نام! اچھا یاد رکھنا!

رقیمہ سجادی

ابلیس کا خط خالہ سجادی کے نام

کیوں خالہ اماں تم اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہ آؤ گی۔ تمہارے ہاتھوں سے ہماری گردن میں طوق لعنت کا پڑا۔ مگر تم ہمیشہ اپنی ناجائز حرکتوں سے ہمکو بدنام ہی کرتی رہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ تمکو مولوی اور مقدس گروہ اور عالموں سے سخت دشمنی ہے اور ہمیشہ سے تم میرے نام سے ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلا کرتی ہو۔ میری کیفیت یہ ہی کہ جہاں کسی عالم کا نام آیا میرا رونگٹا رونگٹا کانپتا ہے۔ جس طرح بکری قصائی سے کانپتی ہے۔ مجکو اس گروہ سے ہمیشہ رشک ملائکی۔ اور یہ گروہ تمہاری وجہ سے میرا دشمن ہوگیا۔

یہانتک کہ سرسید کو تو کامل یقین تھا کہ ابلیس کوئی چیز نہیں۔ یہ سب سجادی کی دوسری حرکتوں کا نام ہے۔ تم اگر عمدہ اخلاق۔ اتفاق۔ اتحاد۔ اعلیٰ تعلیم تہذیب تمدن پیدا کرتیں اور ترقی معکوس کی آتش نفاق کو خوب مشتعل کرکے اپنے کلیجے کی آگ نہ بجھاتیں تو اچھا ہوتا۔

خدا کو بہت بہتر کرنا منظور تھا اور ابھی بزرگوں کا نام چند عرصہ تک پردۂ دنیا پر قایم رکھنا تھا۔ جو اُس نے محض اپنی شان کبریائی سے تمہارے ہاتھ پاؤں دل و دماغ اور زبان کی قوت سلب کرلی۔ اب تمہاری توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ تمہارے واسطے قیامت کا وہی دن تھا جسدن تمہاری زبان بند ہوئی۔

میں جانتا ہوں کہ خدا کے یہاں سے مجکو ابلیس کا لقب تمہاری زبان درازی سے ملا۔ جہاں مجھ میں ہزاروں برائیاں ہیں وہاں ایک اچھائی یہ بھی ہے۔ کہ میں اکابرین و مذہب سے ہمیشہ خائف رہتا ہوں۔ تم نے میرے نام سے سرسید کو خط لکھا اور خدا جانے کس کس کو خط لکھے اور جب میں نے تم سے شکایت کی تم نے یہی جواب دیدیا کیا تم ہی شیطان ہو۔ اللہ رکھے میری برادری میں شیطان پیدا ہوا ہے۔

جس کی حرکتیں تم سے بھی زیادہ ہیں۔

بلکہ ایک دن اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک مرزقی مردہ گور دبلے پتلے افیونی کو پیش کر دیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے کرتوت اب اور بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ دوسرے سیبان شہدے کی صحبت میں تم اور بھی خراب ہو گئیں۔ تم نے بھیک مانگنے کا یہ طریقہ اچھا نہیں اختیار کیا ہے۔ تم بڑے بڑے رئیسوں کی عزت اتار لیتی ہو۔ گو ہیضہ اور طاعون تمھارے پرانے آشنا ہیں مگر آجکل تم نے لقوے اور فالج کو گلے کا ہار بنا رکھا ہے۔

جب تمہارے دل و دماغ کام نہیں دیتے۔ ہاتھ پاؤں ساتھ نہیں دیتے۔ زبان قابو سے باہر عقل رخصت ہو گئی ہے۔ تو تم ہر ایک کے بہکانے سے مشاہیر استادوں پر کیوں سنہ کی آتی ہو؟ تم نہیں جانتی ہو کہ ہمیشہ یہی لوگ قدامت کے خیال سے تمہاری عیب پوشی کرتے ہیں۔ اور تمہارے بدنما دھبے کو مٹاتے ہیں۔ ورنہ ان کے ایک قلم کے اشارے میں تم تہس نہس ہو سکتی ہو۔ انھیں نے تمکو یہ عزت دی ہے۔ اس نیکی کا بدلہ تم نے ان سے خوب نکالا۔

غضب تو یہ کیا۔ کہ الم غلم نتھو خیرا کے نام سے تم نے شاعرانہ اعتراض کا جب کوئی جواب نہ دیکھا تو تعصب اور حماقت نے تمکو اس پر مجبور کیا۔ کہ تم مولانا ایسے غیر متعصب اور ہر دل عزیز انشا پرداز کو مذہبی حملے سے زیر کرو۔ تم نہیں جانتی ہو انھیں کی جانکاہ کوشش سے لوگوں میں اتفاق پیدا ہوا۔ افسوس تم قوم اور ملک کے بہی خواہ پر محض اپنی حماقت اور نادانی سے ایک غیر واجبی لم لگانا چاہتی ہو۔ بانیان اتحاد میں آج مولانا کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ تم ہرگز اس میں کامیاب نہ ہوگی اور تمہاری رائے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ تم اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔ اور شرمندہ ہو۔ تم سے ہندو اور مسلمان کوئی خوش نہیں۔ کانگرس کا ساتھ تم نے نادان دوست بنکر دیا۔ اور کانفرنس کی مخالفت تم نے نادان دوست بن کر کی۔ دو گھدا میں دونوں گئے۔ مایا ملی نہ رام۔ تم اپنے کرتوت اور اپنے کردار سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی نظر میں حقیر ہو۔ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد تم جلائی جاؤ یا دفن کی جاؤ۔ کیونکہ مسلمان تم کو ہندو سمجھتے ہیں اور ہندو مسلمان جانتے ہیں۔

غریب شاعر کی روح تمکو پانی پی پی کر کوستی ہے۔ تمہاری دریدہ دہنی سے اس غریب کے سارے عقدے کھولے گئے۔ اور وہ اعتراض کئے گئے جن کو اب آتش بھی زندہ ہوں تو

نہیں مٹا سکتے۔ تم کو جب شاعری سے تعلق نہ تھا۔ تو دخل در معقولات دینے سے کیا فائدہ ہوا۔ رفتہ رفتہ تمہارے نامہ نگار بھی اب ٹھنڈے پڑتے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو کوئی معقول بات نہیں ملتی۔ پہاڑ سے رائی کا مقابلہ کہاں ہو سکتا ہے۔

جوانی میں ان لوگوں نے تمہارے ناز اور نخرے اٹھائے۔ اور نازنین پر بھال سمجھ کر طرح دیدی۔ ہمیشہ کسی کے دن ایک سے نہیں رہتے۔ اب تمہارے بوڑھے عمزے اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ تمہارے چمن حسن و جوانی میں خزاں کا دور دورہ ہے وہ پھول سے گال مرجھا گئے۔ کوئی تم سے پاؤں دبانے کی بھی خدمت نہیں لینا چاہتا اسپر تم سمجھتی ہو کہ میں پونے بارہ برس کی ہوں۔ خالہ اماں خدا کو مان کے اب اپنے بوڑھے چونچلے اٹھا رکھو۔ ہر بات میں پراچھی معلوم ہوتی ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ تم پور پور چھلے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائے ہوئے چھبی جان بنی ہوئی بیٹھی رہتی تھیں۔ اب بند بند تمہارے جدا ہو گئے۔ بسمہ کی ضرورت۔ ساٹھ برس کی پرانی ڈھڈو۔ جو دیکھتا ہے منہ پھیر لیتا ہے۔ ہاتھ سے بیر بھی کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ گو سچ ہے کہ تم نے جوانی میں بہت سے جوانوں کو گھائل کیا ہوگا۔ مگر اب خلیل خاں فاختہ اڑا چکے۔ ایاز قدر خویش بشناس ایسے نخرے کرو گی تو بھیک بھی میسر نہ ہوگی۔ بیٹھے پرانے حال میں جو بسر ہو جائے غنیمت جانو۔ تم سے اچھی اچھی نازادیاں دانے دانے کو محتاج ہیں۔ کوئی بھولے سے نہیں پوچھتا۔ نعوذ باللہ اگر۔۔۔ ایسے لوگ نقب برتنے تو شاہی زمانے میں ایک پڑھا لکھا نہ ملتا۔ مگر کیا معلوم تھا کہ ؎

کس نیا موخت تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اب بھی جن لوگوں کے گھر میں اردو فارسی کا قدم آیا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے قدم میمنت لزوم سے۔ دیکھو سب نے ان کو مانا اور ان کے احسانات کو نہیں بھلایا۔ وہ اب بھی فیض کو پہونچ رہے ہیں۔ اور جو لوگ احسان فراموش ہیں مٹتے جاتے ہیں۔ مجھی کو دیکھ لو کہ ایک نافرمانی سے کس قدر وبال میں پڑا ہوا ہوں۔ احسان فراموشی بہت بڑا مرض ہے۔ سب سے بڑی تم احسان فراموش ہو کہ تم کو ان لوگوں نے خاک سے پاک کر دیا۔ اور پھر تم ہمیشہ ان کی نیچ کنی میں سرگرم رہیں۔

"عرصہ ہوا مسٹر ٹیپو نے بھی اسی کاوش میں اپنی جان دی تھی جن کی خبر تم نے لوکل مسٹر ٹیپو کی وفات" کی سرخی سے لکھی تھی۔ یہی مولانا تھے جن کو کاٹنے دوڑا تھا۔ آخر ایک لاٹھی میں خاتمہ ہو گیا۔ مولوی صاحب کا نام تم نے شرمندگی سے نہیں لکھا تھا۔ ابھی تم انکی گردش قلم سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔ ایک نکتہ میں تمہاری ہستی اور نیستی کا انقلاب دکھا سکتے ہیں۔ تمہاری بساط کیا ہے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ اب تمھارے مرنے کا وقت قریب ہے۔ اللہ اللہ کرو۔ چرخہ کاتنا تو تمہاری تقدیر میں ہمیشہ سے لکھا تھا۔ مگر نکتہ سنجوں کی بدولت تم اس چرخے سے بچ گئیں۔ ایک برا چرخہ تمہارے گلے پڑا۔ اب بڑھاپے میں اٹھتی جوانی دکھاتی ہو۔ یہ اجوائن کی تھیلیاں کسکو پسند آئیں گی۔

زندوں کو تو تم ہمیشہ ستاتی رہی ہو۔ اب تم نے مردوں کو ستانا شروع کیا۔ مرگھٹ سے مردے دہائی دے رہے ہیں کہ اس مردار نے ہمکو ذلیل و رسوا کیا۔ اور ہماری خاک کو بھی برباد کیا۔ آتش کی روح قبر میں بیچین ہے کہ کم بخت گوشۂ مرقد میں بھی چین سے نہیں سونے دیتی۔ مفت میں یاروں کو بدنام کرتی ہے۔

ابھی کیا ہے۔ بہت بدتر تمہاری حالت ہوگی۔ اور دانے دانے کو محتاج ہو جاؤ گی یہ اہل قلم کی دشمنی ہے۔ کچھ ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ تم کبھی ان کو ماہران فن میں شامل نہیں کر سکتی ہو۔ صبا اور رند ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار جا رہے ہیں۔ اور وہ ایک کاکوری کے گدھے پر مع اینٹ پنزادہ کے لدے ہوئے ہیں۔ تم گلے میں رسی باندھکر کھینچتی ہو اور تمھارے ہوا خواہ ڈنڈے مارتے ہیں۔ مگر گدھا گدھا ہے اور گھوڑا گھوڑا۔

کھوسٹ مرزا اگر اب بھی نہ مانیں گے اور در پردہ تمھاری طرفداری کریں گے۔ تو بڑھاپے میں ذلیل ہونگے۔ اور خضاب کے ساتھ ساتھ تمام سیاہی منہ پر دوڑ جائے گی۔ تمہارے لونڈوں کی ٹائیں ٹائیں فش کوئی اثر نہیں دکھا سکتی۔ یہ چوراہے کے کتے ہیں۔ بھونکتے ہیں۔ بھونکنے دو۔ اس کا اثر علمی مذاق والوں پر کوئی صورت نہیں پیدا کر سکتا۔ اور یہ غل غپاڑہ گوز شتر سے زائد وقعت نہیں رکھتا۔ مسٹر ظریف کے قلم کی ذرا سی ششکار انکے واویلا کے واسطے برسوں کافی ہے۔

آج کل منے حجام کو تم نے خوب اپنے گھر کا چودھری بنا رکھا ہے۔ یہ کمبوت تو انھوں نے پھینک دی اب شیروانی کی جیب میں چند اُسترے اور ناخن گیریاں اور قینچیاں اور ایک ڈبیا مرہم کی لئے پھرتے ہیں۔ سنا ہے بدگوشت خوب کاٹتا ہے۔ اس شایستہ نائی کی روزی کا دروازہ کھلنے والا ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے عید کا دن ہے گھر گھر خوشیاں ہیں سیوئیاں پک رہی ہیں۔ شادیانے بج رہے ہیں۔ یہ آئینہ لئے ہوئے خدمتگار حاضر ہیں آپ بھی شرما شرمی ضرور چار ٹکے ان کے کیسے میں ڈالیے نہیں تو ہونٹھ رنگ آئیں گے اور بہت مایوسی اور نا اُمیدی کے ساتھ عرض کریں گے۔ خداوند غلام اسی اُمید پر سال بھر حضور کی جوتیاں اٹھایا کرتا ہے خدا سلامت رکھے۔ ہمیشہ سے ہماری عید بقرعید کو پرورش ہوا کرتی ہے۔ ہماری تمہاری میں رخنہ نہ ڈالیے۔

ایک ڈرامے پر ایک روباہ خصلت نے اعتراض کیا "چہ داند بوزنہ لذات ادرک" کیوں صاحب یہ بھجیاں کیسی۔ کیا کسی ورزی صاحب نے اپنا گدڑی بازار دکھایا تھا۔ اس سے تو "پھٹا پرانا گودڑ۔ کڑوا تیل" کی صدا لگائی ہوتی۔ تو مزا آتا۔ اب یہ کترہیونت کام نہیں دے گی۔ درزی اور حجاموں کی حمایت کیا۔ مگر بقول تم کیا کروں مزاج ہی پاجی پرست ہے۔ تمہاری صحبت میں ہمیشہ ایسے لوگ زیادہ رہتے ہیں۔

دیکھو خالہ اماں۔ اب بھی کہنا مانو۔ اور ان افعال قبیحہ سے باز آؤ۔ ورنہ مسٹر ٹیپو کی طرح مولانا کے قلم کی لٹھ بازی سے تمہارا بھی خاتمہ ہوگا۔

راقم تمہارا بھانجا ابلیس

تاج الملوک کا نوازشنامہ لکھا بیسوا کے نام

کیوں محتسبِ زمانہ حرّافۂ روزگار۔ تو نے پہلے بکاؤلی کے راستے میں تمام عالم کو اپنے دامِ تزویر میں قید کیا تھا۔ اور ابلہ فریبی سے ہزارہا شرفا کو اپنا غلام بنایا تھا۔ ہمارے چھ بھائی قید کئے اور ہزاروں کا مال و متاع لوٹا۔ چوسر کے بہانے سے بڑے بڑے رئیسوں کا رنگ روغن اڑایا۔ جس کو آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا پایا خوب مال کھایا۔ اب پھر کایا پلٹ ہو گئی۔ مرغی کی طرح خاک چاٹ کر الٹ گئی۔ لنڈھکتی ہوئی چودہویں صدی میں پھر اپنی اصلی حالت کے ساتھ جنم لیا۔ اور بربادی اپنا نام رکھ لیا۔ پنچ کی چوسر بچھا کر کالے سر کا ایک نہ چھوڑا پہلے تیرے پاس بلی تھی۔ اب کتیا سے مطلب براری کرتی ہے۔ رنگ بدرنگ سب مار لیتی ہے۔ بہت کچھ پو بارہ ہوتے ہیں۔ مال مردم خوری کا مزا ہے۔ پانسہ کی طرح کبھی ادھر کبھی ادھر لنڈھکتی پھرتی ہے۔ ہر ایک سے ٹیڑھی بات بولتی ہے۔ اگرچہ میں نے تیری بہت کچھ گوشمالی کر دی تھی۔ اور امید تھی کہ تو ہزار پلٹے کھا کر بھی اس کو یاد رکھے گی۔ افسوس تو نے بالکل بھلا دیا۔ کیا تجھ کو اپنی پوسی (بلی) اور میرا نیولا یاد نہیں ہے۔ دل کھول کے بازی بد چکی ہے۔ اور ہار چکی ہے۔ میری لونڈی ہو چکی۔ میں نے تجھ سے عقد کرنے سے انکار کیا تھا مگر پھر بھی تو اپنی میاؤں پر قایم ہو گئی۔ اور اس جنم کی ساری باتیں بھول گئی۔ اری چرخہ کیوں دیوانی ہوئی ہے۔ کچھ شامت آئی ہے۔ بوڑھاپے میں اپنا منہ کالا کرائے گی۔ پانسے کی طرح ماری ماری پھرے گی۔ کوئی نہ پوچھے گا۔ ہر گھر سے ٹکا سا جواب ملے گا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اور نہ تجھ میں حسن جوانی ہے زبان کی لنجی ہے۔ منہ میں گھنگھنیاں بھری ہیں۔ مگر اس پر شیطانی حرکت کی خواستگار ہے کاکوری کا نام ہنسواتی ہے۔ بہت سے رئیسوں کو لوٹ چکی ہے۔ مگر ؎

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

خدا کو تیرے افعال بد کی سزا دینا منظور تھی جو تجھ سے مولانا ظریف سے سابقہ پڑا۔ سمجھی تھی کہ پہلے میرے ساتھ بلی تھی اب کتیا ہے۔ کچھ کام چل جائے گا لیکن یہ نہ معلوم

تھا کہ تیری قسمت سے یہ بھی تاج الملوک نکل آئیں گے۔ اور قلم کے ڈنڈے سے کتیا کو ختم کر دیں گے۔

جان و مال ہار جائے گی۔ کوئی شریک نہ ہوگا۔ کردنی خویش آمدنی پیش سچ ہے۔ ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال۔ افسوس ایک دن وہ تھا کہ تو اپنی بساط شطرنج یعنی صفحات اخباری میں ہر ایک شہ کو مات کر دیا کرتی تھی۔ اور شیطان کی مدد سے بڑے بڑے مدبران ملک کی توہین پر کمر بستہ تھی۔ دو چار لونڈے لاڑیے ساتھ تھے۔ انھیں فوج سمجھتی تھی۔ اور کوس لمن الملک بجاتی تھی۔ یا ایسی گنی سادھی ہے کہ نہ منہ سے بولتی ہے نہ سر سے کھیلتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یاد رکھ یہ مولانا ظریف ہیں تیرے ساتھ بہت کچھ رعایت کی ہر طرح کے ناز اٹھائے ہر طرح کے نخرے اٹھائے اور ہنسی خوشی سے ٹال دیا۔ کیا تو نہیں جانتی ہے کہ ہر فرعونے را موسیٰ۔ تو نے حجام اور دھوبی کے بھروسے پر اخبار نکالا۔ اور مولانا کے مراتب اعلیٰ کا خیال نہ کیا۔ ان کے ایک قلم کی گردش میں تو کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ اور تیری بساط الٹ پلٹ ہو گئی۔ اب وہ تیرے گہرے یار پیلتن تیری طرف رخ نہیں کرتے۔ گھر گھر ماری ماری پھرتی ہے۔ کوئی پوچھتا نہیں۔ آہ تیرا کیا نمکدان ظرافت ٹوٹ گیا۔ ہم کہہ چکے تھے کہ نائیوں کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ ان کے بہکانے میں نہ آنا۔ مگر تو نے نہ مانا۔

مگر تجھ کو کیا معلوم تھا کہ ظریف سے تیری بازی اس طرح ہار جائے گی۔ جگ ٹوٹ جائے گا۔ گھر میں آرام سے سونا نصیب نہ ہوگا۔ ہر داؤں دہنی تین کانے ہونگے۔ کیا تجھ کو یہ شک ہوتا ہے۔ کہ اگر مولانا مثنوی کو مٹا دیں گے۔ تو میرا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا۔ اور پھر لکھا بیسوا کا کوئی پوچھنے والا نہ رہے گا۔ یہ ایک غلط خیال ہے۔ نثر کا قصہ گل بکاولی بہت اچھی عبارت سے قدیم اردو زبان میں موجود ہے جس سے تمام عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ خود مولنا ایسے نامنصف نہیں ہیں وہ اس مثنوی کو اصلاح دیکر اردو کا سلیس اور مزیب جامہ پہنا کر اس کو اور چمکا دیں گے۔ اور زبان کی خرابی کا بدنما دھبہ اسکی پیشانی سے مٹا دیں گے۔ جو اس کے ناسمجھ ضدی مصنف کی کج فہمی سے آج تک چلا آتا تھا اور باوجود اصلاح کے بھی اس پر عمل نہ کیا گیا۔ کیا تو چاہتی ہے کہ مثنوی اسی خرابی میں پڑی رہے۔ اور اس کو کوئی سخن سنج نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور قدر دانان سخن اپنی میز

تک اس کو نہ آنے دیں۔

درحقیقت مثنوی میں بوئے کچوری مے آید۔ اور نظم کے دیکھنے والے زباندان اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ دکھا سانپ والا کیسا مہمل جملہ بیان کیا گیا۔ اس لہنگہ پھریا پر مورنج کی بخیا بالکل بدنما اور خراب معلوم ہوتی ہے۔

شاہوں کے مراتب کا خیال وہ شخص کیا کر سکتا ہے جس نے آنکھ کھول کر کہار کی زبان سیکھی ہو۔ کجا راجہ مہرا اور کجا تاج الملوک۔ ہاں اگر کسی لایق شاعر نے ایسی جرأت کی ہوتی تو مثنوی کا نفس قصہ بہت نفیس تھا۔ اور وہ قابل داد ہوتا۔ اسی طرح مطالب بہت سے خبط ہو گئے۔ اور نفس قصہ کو بھی گویا مٹا دیا۔ مثنوی کا پڑھنے والا جب قصے کا مطلب نہیں سمجھتا۔ تو اس کو خاک مزا نہیں آتا۔ اور وہ اٹھا کر کوڑے میں پھینک دیتا ہے۔ اس پر زبان بھونڈی محاورات غیر فصیح۔ عبارت خبط۔ ایک مصرعے کو دوسرے سے ربط نہیں۔ رعایت کی بھرمار۔ خراب پہلو۔ استاد سخن فہم تھا۔ اس نے شاگرد کے جب ناز بیجا دیکھے سمجھ گیا کہ یہ شیطان یوں نہ مانے گا جب تک کوئی اسکی اچھی طرح مرمت نہ کرے۔ اور میری اصلاح کی قدر نہ کرے گا۔ جب تک یہ اچھی طرح ٹھوکر نہ کھائے۔ اسی واسطے استاد کی زندگی میں ان کے شاگردوں نے بھی استاد کا منظور نظر سمجھ کر مثنوی پر ہاتھ صاف نہیں کیا۔ بعض نے اشارۃً کنایۃً سمجھایا۔ مگر مصنف ماشاء اللہ سے ایسے سمجھدار نہ تھے جن کو اشارہ کافی ہوتا۔ اب مولانا کے چابک نے بیدار کر دیا۔ اور تم کو تینوں تلوک نظر آنے لگے۔ مثنوی کی غلطیوں کا خود اقرار ہونے لگا۔ مگر پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ دراصل مولانا کا احسان تمام طرفداران کو ماننا چاہیئے۔ اور ان کا مشکور ہونا چاہیئے۔ کہ عفونت آمیز گندی زبان کو اصلاح سے مزین فرما کر دیکھنے کے قابل بنا دیا۔ وگرنہ آیندہ ردیوں میں پھینک دیجاتی سوا اس کے پنساری کی پوڑیاں باندھی جاتیں اور کسی کام کی نہ تھی۔ اور اب بھی اگر کوئی ان کی بیش بہا رائے کی ناقدری کرے گا۔ اور موتیوں میں تولنے والے اعتراضات کو نہ مانے گا تو ایک دن یہی حال ہونا ہے۔ تم سے ایک طرح کی مجکو امید تھی کہ تم زمانے کی ٹھوکر اٹھا چکی ہو۔ کچھ دھوپ میں بال نہیں سفید کئے ہیں ہیں۔ بڑے بڑے استادوں کی زیر مشق رہی ہو۔ اور اس آخری جنم میں بھی آکر تم نے اپنا وہی جال پھیلا دیا تھا۔ اور اخبار کے صفحوں کو بساط چوسر بنا رکھا تھا۔ بجائے نقارے کے پریسوں کی کھٹا کھٹ برابر چلی جاتی تھی۔ بلی

کے معارضے میں کتیا پال رکھی تھی۔ اور بجائے کالائمنہ کرانے کے پریسیوں کی سیاہی پر گذر رکھا اس جال میں ایک دو ایڈیٹر بھی پھنس جاتا تھا۔ اور تم گالیاں سنا کر اس کا روپیہ ٹھگ لیتی تھیں۔ وہ بھی کچھ سمجھ کر کہ ع

معشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی

تمکو طرح دے جاتا تھا۔ اور کچھ بھینٹ چڑھا کر اپنی جان چھڑا لیتا تھا۔ تمکو یہ لت ایسی پڑ گئی تھی جیسے بلی کے منہ کو خون کا چسکا۔ تم سمجھ لیتی تھیں کہ میں میدان مار لیتی ہوں۔ اور بازی جیت جاتی ہوں۔ اسی بخیہ پر مولانا کے ساتھ بھی بازی کھیلنا چاہی۔ وہ ایک پرانے کھلاڑی تھے۔ تمہاری چال سمجھ گئے۔ کہ تم جب بازی کھیلنے بیٹھتی ہو کتیا بھونکتی ہے۔ کھلاڑی مار جاتا ہے تو پہلے انھوں نے اپنے لٹھ سے کتیا کا سر بھرتا کر دیا۔ اور مسٹر ٹیپو کے ساتھ اسکو بھی کالعدم کر دیا۔

اعتراض کی گرمی نے سب کو ٹھنڈا کر دیا اور تمہاری چوسر کی ساری گوٹیں ماری گئیں۔ پہلے تو کلموہے، بدھیے، بکرے مرزا استاد کے کا سر کھل دیا۔

اوس کے ساتھ ہی ساتھ نائی والی گوٹ مار لی۔ پھر دو دن کی حالت چیتھڑے چیتھڑے ہو گئی۔ رنگ بدرنگ۔ الم غلم۔ تھو خیر اسب کو روسیاہی نصیب ہوئی۔ اب تم جان کی بازی لگائے ہوئے کھیل رہی ہو۔ اور سوائے تین کانے کے کچھ نہیں آتا۔ ہار جاؤ گی اور یقینی ہار جاؤ گی اس جنم میں تمھاری جان کو یہی تاج الملوک تھے۔ اور یہ سہرا انھیں کے سر زیبا تھا لکھا ہوا تھا۔ اب اپنی روانگی کا سامان کرو۔ ع

ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے

راقم شہزادہ تاج الملوک

مولانا ظریف کے نام تاج الملوک کا شقّہ

مسٹر ظریف۔ درحقیقت تمہارا وجود منکران اعتراضات کے واسطے مشفق ناصح کا کام دے رہا ہے۔ جب خاقانی اور غالب کے پیچ در پیچ مضامین خیز اشعار بعض بعض ماہواری رسالے اور ہفتہ وار اخبار حل کر دیا کرتے ہیں۔ اور اکثر ملکی ہمہ دان مفہوم سمجھ کے مزا اٹھاتے ہیں۔ تو یہ صریحی اور بدیہی اعتراضات کس گنتی اور شمار میں تھے جو ہر شخص نہ سمجھ جاتا۔ لیکن اس میں ذرا سی کسر تھی۔ وہ یہ کہ مولانا کا انداز تحریر مہذب اور ثقہ تھا۔ اس کے سمجھنے والے صرف وہی لوگ ہو سکتے تھے جو اس پایہ اور اس مرتبہ کے تھے۔ چنانچہ نامی نامی اخباروں نے ان عالی مضامین اور قابل قدر اعتراضات کو تسلیم کر کے اُس کی غلطیوں کا اعتراف کیا۔ چند اُن کوتہ نظروں نے جن کے دلوں میں تعصب اور موروثی کاوش اور دلی بخارات اور بدخیالات بھرے ہوئے تھے۔ ان اعتراضات کو بھی تعصب کا جامہ پہنانا چاہا۔ اور ان کے ہم نوا وہ پرانے گیدڑ جو اندرونی آتش تعصب روشن کر رہے تھے چل پوں مچانے لگے۔ مگر اس واویلا اور دہائی کا مطلب سخن فہم سمجھ گئے ع

مہ فشاند نور سگ عف عف کند

اور اس لئے کوئی الزام مولانا کی کامل تحقیق۔ وسیع نظری پر نہیں آیا۔ اور ان کے معنے خیز اور گہرے اعتراضات کی وقعت اور ترقی پذیر ہوتی گئی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

فہم اور دانش سے بہرہ رکھنے والے تو قدر افزائی کرنے لگے۔ اور حقیقی اور واقعی اعتراض کو دیکھ کر اس کتاب کی اصلاح کرنے لگے۔ لیکن بیجا طرفدار اور ہٹ دھرم حمائتی مرغے کی ایک ہی ٹانگ بتانے والے اور اپنی قدیمی جبلی علوم سے باز نہ آئے۔ یہانتک کہ بعض مفسدہ پرداز طبیعتوں نے کھینچ کھانچ اس کو مذہبی تعصب سے تاویلیں کر کے قومی غیرت دلائی اور ہمنوا بنا کر زبردستی میدان کارزار بنا لیا۔

جس میں اصل اعتراضات چھپ جائیں ورنہ ساری قلعی کھل جائے گی۔ اور اس منشا کو بدترین پہلو کے ساتھ پیچ میں رٹنا شروع کیا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ تمام مہذب دنیا اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور ہم بیجا اور سخت الفاظ سے اپنا کام نکال لے جائیں۔ مسٹر ظریف تمہارا ورود ان پھکڑ بازوں کے واسطے غنیمت ہو گیا۔ اور ان کو جیسی کچھ امید تھی وہ زاویۂ گمنامی میں پڑ گئی۔ بے شک تم نے انھیں کی زبان میں ان کو سمجھایا۔ اب ناکی۔ ورزی۔ غاد وغیرہ وغیرہ اپنی اپنی زبان میں مطلب سمجھ گئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم اس میدان میں کامیاب ہو کے رہو گے۔ کیونکہ تم بھی میری طرح مستقل مزاج اور بردبار ہو۔ یہی علامت کامیابی کی ہے۔ اور یہی بات مجھ میں تھی جس سے میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوا۔ گھر سے نکلتے ہی حرامی حلالی دونوں سے کام پڑا جب میرے چاروں بھائی گل بکاؤلی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ تو میں بھی خدا کا نام لیکر اور اپنی زر قسمت کو محک امتحان پر کسنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ جس طرح تمہارے راستہ میں سجادی ملی ہے۔ مجھ کو بھی لکھا بیوا سے سامنا کرنا پڑا تھا۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید یہ وہی لکھا بیوا ہے۔ تمام حرکات و سکنات اس سے ملتے ہیں۔ چاروں بھائی تو میرے غلام بن چکے تھے۔ میں سروار سعید کی خدمت میں فیضیاب ہوا جس طرح تم منشی کی سرپرستی میں ہو پہلے تو لکھا بیوا کا حال دریافت کیا۔ چوہے بلی کا قصہ سنا۔ چوسر کا حال معلوم کیا۔ اس کے ہتھکنڈے چالبازیاں سیکھیں۔ نیولا پالا۔ چوسر کھیلی۔ وہ بازی ہار گئی۔ یہاں تک تو میرا تمہارا قصہ قریب قریب ہے۔

پھر وہاں سے میں نے فقیری ٹھاٹھ اختیار کیا۔ اور گوہر مقصود کی تلاش میں صحرائے پرخار میں جا نکلا جس کی تاریکی میں سحر گھڑی اور رات میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سفیدی اور سیاہی میں کچھ بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ اژدہے بچھو کے منہ کھولے ہوئے پڑے تھے۔ خارستان میں تمام جسم لہولہان ہو گیا۔ سامنے سے ایک دیو پہاڑ سا بیٹھا نظر آنے لگا۔ میں سمجھا یہ پہاڑ ہے۔ جیسے ہی میں نے قدم بڑھایا فوراً اس دراز قد نے سر اٹھایا۔ اور خوشی سے بولا خدا کی شان جس نے مجھ کو لقمۂ لذیذ بعد مدت کے دے دیا۔ غرضکہ ہزاروں تدبیروں اور سیکڑوں عقل آرائیوں سے اس کو بھی تابعدار کیا۔ اور آخر وہی باعث ہوا باغ گل بکاؤلی تک پہونچنے کا۔

میں دیکھتا ہوں تو تمہارے سیکڑوں بھتنے چپٹے ہوئے ہیں۔ لو ہزاروں چڑیلیں تم پر چلے

کر رہی ہیں۔ اور کالے دیو۔ سفید دیو یہاں تک کہ بعض شیاطین ترنوالہ سمجھکر بغلیں بجا رہے ہیں۔ اور بجائے خود بہت خوش نظر آتے ہیں۔ مگر تم استقلال اور مردانگی کے ساتھ نظر بخدا رکھو۔ یہ سب آپ ہی آپ دفع ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمہارے دوستوں کو وہ عملی فلیتہ یاد ہیں جن سے سیکڑوں بلائیں پناہ مانگتی ہیں۔ بڑے بڑے جن جلاکر خاک کر دئیے اور بہت سی چڑیلیں پھونک دیں۔ تو یہ چند شیاطین کس شمار اور قطار میں ہیں۔ دو چار عمل تو تم نے ایسے کئے جن سے بہت سی بلائیں دفع ہو گئیں۔ جیسے سیاں شہدے والا فلیتہ۔ سجادی والے خط کا نقش۔ غادکی خوابی غزل کی دھونی۔ اللہ اللہ ان کے صدمے سے ابتک بعض مردے دہائی دے رہے ہیں اور بعض توبہ کر رہے ہیں۔ ڈھائی ہے مولانا ظریف کی۔ اب کبھی سجادی کے بہکانے سے پنج کے صفحوں پر قدم نہ رکھیں گے۔ اور بعض جلکر خاک ہو گئے۔ انکی راکھ بھی برباد ہو گئی۔

سچ تو یہ ہے کہ تم سب مرحلے طے کر لائے اور اب منزل مقصود پر قدم رکھ کر کوس لمن الملک بجانے والے ہو۔ اور بہت جلد تمہارا تسخیر کا عمل کارگر ہو جائے گا۔ سارے بھتنے مسخر ہو جائینگے اور اس باغ کی بکاولی کی شادی کا سہرا تمھارے سر باندھا جائے گا۔ اور بہت دھوم سے شادی ہوگی۔ اور سجادی لونڈی جہیز میں ملے گی۔ غالباً یہ پیشگوئی ہماری عنقریب پوری ہو جائے کیونکہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہے۔

راقم۔ تاج الملوک

حضور سال رواں کی آخری اسپیچ

یور ہائنس اینڈ جنٹلمین! قبل اس کے کہ پردہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤں اور اپنا جانشین نعم البدل اپنا جائز وارث اپنا مجاور یعنی ۱۹۰۷ء کو چارج دیکر دنیا کے اسٹیج پر چھوڑ جاؤں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ سب صاحبوں کو تکلیف دہی پر تشریف لانے اور میری دائمی رخصت پر افسوس کرنے کا شکریہ ادا کرنے کے بعد خیر مقدم کہکر دل خوش کن الفاظ سے کام نکالوں درحقیقت آپ سب شرفا مختلف ریاستوں کے وزرا بڑے بڑے زمیندار۔ چھوٹے چھوٹے تعلقہ دار۔ قانون پیشہ۔ تاجر۔ دستکار۔ کمیشن ایجنٹ۔ خوردہ فروش۔ دلال۔ چودھری۔ تھوک فروش ہوٹل والے۔ ٹھیکہ دار اور دیگر ہندو مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ بودھ ۳۶۵ دن کچھ گھنٹہ اور اتنی ہی راتیں میرے تحت و تصرف میں رہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جو جدید قانون میں نے آپ صاحبوں پر بغرض اقتدار و اعزاز سلطنت قایم کی ہے۔ اس کا اصل ماخذ قائمقام جماعت کے وہ اصول ہیں۔ جن کی بنیاد موجودہ پولٹیکل واقعات عالم پر کامل تدبر کے بعد ڈالی گئی ہے۔ اور جس کا تمام تعلق ایک گروہ کی پولٹیکل ہمدردی یا ناراضی پر ہے۔ جس کا اثر مختلف مقامات پر مختلف صورتوں میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں آپ صاحبان کا مشکور ہوں کہ آپنے اس امر کا مجھے موقع دیا کہ میں تمام عالم کے ان ناجائز خیالات کی اور ان کے اس غیر وقیع عزم کی کہ وہ پولٹیکل تاریخ میں تبدل و تحرف کرنے کے امیدوار ہیں ... ایک تردید کرکے زبردست غلط فہمی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دوں۔ بحیثیت حاکم میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ میں آپ کی ایک غیر متوقع آرزو کا رفع شک کر دوں۔ آپ لوگ جو فی نفسہ ایک فاتح اور حکمران قوم کی ناخلف اولاد یا تقویم پارینہ ہیں انگلستان کی حیرت اور آزادی اور تلی پھاڑ ڈالنے والی کارروائی اور امن و عافیت پر حسد کرکے اپنا دلی بخار نکالنے کے واسطے اپنی دائمی قید کی میعاد کم کرنے کی جو آرزو کی ہے وہ بظاہر ایک دلخوش کن جملہ ضرور ہے۔ اور میں نے بھی بمصلحت و دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز پر عمل کرکے اس دور از عقل جملے کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا تھا مگر اب کہ میں چند روز کا مہمان ہوں اس امر کو ذہن نشین کرنے کی کوشش میں کامل حصہ لیکر کہتا ہوں کہ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں۔

آپ سے پیشتر جو قومیں اس جنون میں مبتلا ہیں وہ سب ایکدن کانجی ہوس میں داخل کیجائینگی اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ایک دن آپ کو بھی اس خیال پر ایسا ہی دن نصیب ہوگا۔

انگلستان ہمیشہ مصائب دنیاوی سے پاک اور مبرا ہے۔ مسٹر مارلے وزیر ہند روشنخیال جلوہ گر ہیں۔ تجارتی کشمکش سے اور ریل کی کھینچ کھانچ سے غلہ کا نرخ ہندوستان اور انگلستان میں برابر کا ہو جائیگا۔ اور ہر شخص آزادی کا تمغہ گلے میں لٹکائے گا۔ میرے زمانۂ حکومت میں اسقدر اندھیر نہیں ہوا۔ ابھی جن لیڈیوں نے ممبری کے سوداوی مادہ کو پکایا تھا۔ ان کو جیلخانہ بھیجدیا۔ ہاں دو واقعے دلشکن ہوئے۔ ایک لیڈی کرزن کی رحلت دوسرے مسٹر طیب جی کی وفات۔ اسی طرح ٹرکش کے ساتھ میرے سلوک مابہ الامتیاز رہے۔ حجاز ریلوے کی تبوک تک تکمیل۔ مصر و عدن کے سرحدی معاملات کا بخیر و خوبی فیصلہ ہونا۔ سرحد ایران کا باہمی سمجھوتہ کربلا و بغداد کا تصفیہ۔ سلطان کا بعد علالت صحتیاب ہونا۔ یہ ہماری کامل تدبیر اور دانشمندی کی ایک کامل دلیل ہے۔ کیونکہ مابدولت کو ہمیشہ اس امر کا خیال رہا۔ کہ عالم کون و فساد ہمارے قدوم سے مسلخ قصاب نہ بنے۔ روس کی عنان حکومت گو ہمارے ہاتھ میں رہی مگر منہ زور گھوڑے ہمیشہ کھایا کرتے ہیں۔ اس سبب سے وہاں بغاوت کا بم پھوٹ نکلا۔ اور عام بلوے اور قتل و غارت کی شکایت۔ وزراء کا مستعفی ہونا۔ رعایا کا ہڑتال کرنا سیاسی مطلع کا ایک سخت انقلاب ہوا۔ اور یہ سب ہماری مرضی کے خلاف ہوا۔ ایران میں آزادی اور حریت کے جوش کو دیکھکر آخر ہمنے پارلیمنٹ قایم کردی۔ جس کے اراکین اگر انجام بینی سے کام لیں تو آنے والے خطرے کی بہت کچھ پیشبندی کر سکتے ہیں۔ ایران کو ۴ لاکھ پونڈ کی ضرورت ہے جس کو روس اور انگلستان پورا کریں گے۔ ان باتوں سے تو انہی لوگوں کی تسلی ہو سکتی ہے جو دول یورپ کی چالوں اور انکی قدیم عادات سے واقف نہوں۔ ہمیں تو قوی اندیشہ ہے کہ روس و انگلستان کا اتفاق ایران کے حق میں اہم انقلاب اور پریشانیوں کا موجب ہوگا۔

مراکش کا زائچہ تقدیر منجمان اسپین و فرانس کے تحت و تصرف میں آچکا۔ مگر معلوم نہیں کہ اس بدنصیب سلطنت کے مقدر میں کیا لکھا ہے۔ اب بھی گھڑی گھڑی اس کی بدامنی ابتری اور فساد کی عام خبریں رو باصلاح نہیں ہوتیں۔ جرمن اور فرانس خدا سے چاہتے ہیں کہ مراکش لڑے مرے تو ہمیں تسلط کا موقع ملے۔ لہذا ہمنے اپنے دوران حکومت میں جو طرز عمل اختیار کیا ہے۔ وہ

بلا خیال مذہب و ملت تمام موجودہ اور آیندہ آبادی - حقوق جائز و ناجائز کے لئے من حیث المجموع نہایت مفید اور کارآمد ہے - پس تم تمام حیوانان ناطق کو چاہیئے کہ بکری بندر کی طرح کان دبائے ہوئے اینجانب کے انصاف پر اعتماد واثق مثل سابق رکھو تاکہ تمہاری وفاداری کو ہمارے دل میں جگہ ملے -

اب ہم آپ لوگوں کو اپنے وہ حالات دکھانا چاہتے ہیں - جو ایک بھانمتی کے تماشے سے کم دلچسپی نہ رکھتے ہونگے - یعنی ہندوستان جنت نشان کی اندرونی و بیرونی حالت - اس میں شک نہیں کہ ہمارا وجود ہندوستان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا - اور ہم مشکور ہیں کہ ہندوستان نے ہمکو میٹھی نگاہوں سے دیکھا - اور ہمارے احکام کو بسر و چشم منظور کیا -

پہلا موقعہ خوشی کا ہندوؤں کے واسطے سریندر ناتھ بنرجی راجہ کی تاجپوشی کا جلسہ تھا جس سے سودیشی تحریک کی دنیا میں ایک تازہ روح پیدا ہوگئی - اور بائیکاٹ کے جھگڑوں نے ترقی اختیار کی - گو مالی حالت کیسی ہی رہی ہو - لیکن لال شکر کے کھانیوالوں نے سفید شکر کی طرف رخ نہیں کیا - اور گزی گاڑھے کے پہننے والے اپنی سادہ پوشاک میں خوش رہے - نان پاؤ کے کھانیوالے سوکھی روٹیاں کھانے لگے اور مٹن چاپ اڑانے والے چٹنی پر قانع رہے - تقسیم بنگالہ کی سالگرہ بھی ہوئی اور برسی بھی کی گئی - اسلامی ڈیپوٹیشن کی کامیابی پر بنگالی پیچ و تاب کھایا کئے - اور آریہ مہاتما غل مچایا کئے - اور تعجب کی جگہ یہ ہے کہ کانگریسی احباب جو ہمیشہ مسلمانوں کو پولٹیکل تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے تھے - وہ بھی مسلمانوں کے خلاف ہو گئے -

ملا عبد القیوم کا انتقال ہو گیا - جس کا صدمہ ہندو مسلمانوں کو برابر ہوا - حیدرآباد سندھ کے سرکاری خزانہ میں آگ لگ گئی - نواب صاحب بہاولپور بذریعہ سپیشل ٹرین بمبئی کو اور وہاں سے بذریعہ جہاز بارادہ حج مکہ معظمہ کو تشریف لے گئے - حیدرآبادی جشن جوبلی کی خوشی میں دن عید رات شب برات تھی - ریاست حیدرآباد بیقاعدہ فوج میں ۴ ہزار کی تخفیف کرنا چاہتی ہے - مشرقی بنگال میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان عہدے دار کسی سیاسی جلسے میں خواہ وہ تقسیم بنگالہ کے خلاف ہو شرکت نہ کریں - ہندوستان میں امیر صاحب کی تشریف آوری بعزم سیاحت نہایت مسرت کا باعث ہے - آگرہ میں دربار کی سجاوٹ اور زیبائش کے لئے ۴ لاکھ خرچ منظور کیا گیا - سر فلر کا مستعفی ہو کر تشریف لیجانا مسلمانان بنگال کے واسطے مزید رنجدہ ثابت ہوا - لاٹوش صاحب کی رخصت صوبہ متحدہ میں باعث رنج ثابت ہوئی - مولوی عبد الغفور خاں صاحب

مہارالمہام کا انتقال اسکندریہ میں ہوا۔ صد افسوس۔ لیکن چونکہ آپ حضرات کو ہماری حکمرانی۔ انصاف پسندی۔ نیک نیتی پر اعتماد کلی ہے۔ میں مشکور ہوں کہ آپنے ان تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا اور صبر کیا۔ مجھے یقین ہے کہ اسکو آپ حضرات بھی تسلیم کریں گے۔ کہ میں نے اسوقت آپ کی تمام موجودہ جزئیات میں تبدل و تحرف کیا۔ وہ مبنی تھا میری نیک نیتی پر اور میں ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مجھے پیشتر جتنے حاکم آئے۔ سب نے بڑے بڑے ظلم اور چھوٹے چھوٹے رحم کئے ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کرنے سے میں قاصر ہوں۔ وہ تمام مراتب جن کی حسرت آپ کے دلوں میں ہے۔ آپ کے آیندہ حاکم کے ذہن نشین کردونگا۔ آپنے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر حالتوں میں موجودہ انتظاموں کے رو سے جیسا کہ آجکل ہے بہت سی قوموں کو بجائے نفع پہونچنے کے ایک سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ حضرات! مجھے آپ سے اس امر میں اتفاق کلی ہے (نعرہائے تحسین)

بہرحال اسوقت میں صرف آپ سے چپکے سے اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ آپ لوگوں کو یقین کامل رکھنا چاہئے۔ کہ جیسی آسایش تمام ہندو مسلمانوں کو میرے وقت میں حاصل ہوئی ہے۔ وہ تو میسر نہ آئے گی مگر پھر بھی زائد گول مال نہ ہوگا۔ آپ کے حقوق و اغراض کی کامل نگہداشت کی جائے گی۔ اور آپ کو اور نیز تمام رعایائے گورنمنٹ کو اعتماد کامل رکھنا چاہیئے کہ وہ تمام اقوام کے قوام روایات کی ویسی ہی عزت کرتی رہیگی۔ جیسا کہ اسے فخر ہے کہ اسوقت تک ہوا ہے۔ اور میں آپ کو یہ بھی یقین دلانے کی کوشش کرتا چاہتا ہوں۔ کہ آیندہ آپ مرنے بھرنے کے بعد تمام ہندو مسلمان الگ الگ ہوجائیں گے (نعرہائے نفرین) مہربانی فرماکر میرے اس بیان سے آپ لوگ مزید غلط فہمی کی دلدل میں پھنسنے کی کوشش نفرمائیے۔ میں وہ اسباب بیان کرنا نہیں چاہتا کہ جن سے ہر دو اقوام میں اتحاد و ملت قایم ہوجائے۔ لیکن مجھے اطمینان ہے کہ وہ اصول جن سے دونوں قوموں میں یکجہتی اور میل جول پیدا ہو وہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے لئے مناسب اور موزوں نہیں ہے اور اس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ قحط سالی اور افلاس نے آپ کو بھوکوں مار کر اور ننگا پھرا کر کسی تہذیب کا مادہ قبول کرنے کا نہیں رکھا۔ اور فاقہ مستی نے آپ سب صاحبوں کو خود غرض اور اپنا پیٹ پالنے والا حیوان بنا دیا ہے۔ قحط سالی نے بھوکوں مارا تو افلاس نے ننگا پھرایا۔ اب کوئی شک ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں میں آدمیت کا مادہ باقی رہگیا۔ ہر شخص نفسی نفسی میں پڑا ہے۔ مثل ہے کہ بھوکے شریف سے ڈرنا چاہیئے۔ پھر کیا آپ

کہہ سکتے ہیں کہ فاقہ کشی میں جبکہ آپ لوگ نان شبینہ تک کو محتاج رہیں اتفاق اور اتحاد کو قایم رکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ طاعون اور ہیضہ نے ایک دم سے سب کو چٹ کرنا شروع کیا۔ کبھی یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں بھاگتے پھرے۔ اس میں جانیں بھی تلف ہوئیں اور مایۂ بساط بھی زوال پذیر ہوتا رہا۔ چھوٹی مچھلیوں کو بڑی مچھلیاں کھا گئیں۔ تعصب کی آتش نے دونوں کو از کار رفتہ کر دیا۔ اب آپ لوگوں پر ایک مچھر بغیر توپ بندوق کے حکومت کر سکتا ہے۔ اور آپ کی نکیل ایک چھوٹے سے مدبر کے ہاتھ میں دی جا سکتی ہے۔

آخر میں نہایت صدق دلی سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کی بدولت چند روزہ حکومت کر لی اور جہانتک مجھ سے ممکن ہوا میں اس بات کی کوشش کرونگا کہ آئندہ مسٹر [illegible] آپ کے ساتھ زیادہ کاٹ چھانٹ نکریں۔ چاہے بھوکے مریں۔ ننگے رہیں لیکن جانیں سلامت رہیں ؛

لال بُجھکّڑ کا لکچر

گذشتہ ہفتہ میں ایک چومغز لکچر جو مسٹر لال بجھکر نے دنیا کی جوتی پیزار پر مقام اجاڑ نگر ضلع نیست و نابود میں دیا تھا۔ اور جس میں عالمگیر بیوقوفی پر ایک سخت حملہ کیا تھا جنگلی زبان سے ترجمہ کر کے ہدیہ ناشناسان کیا جاتا ہے۔ وھو ھذا

صاحبو! آپ نے وحشت آباد کی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ مجھے فخر ہے کہ یہ ایسی قابل درسگاہ ہے جہاں مسٹر بوکھلاہٹ و مولوی شیخ چلی جیسے آزاد خیال فلاسفر نے زانوے ادب تہ کیا ہے۔ مجھے شروع سے اجاڑ نگر ضلع نیست و نابود کی زیارت کا شوق [illegible] یہ شوق اس مقصد پر مبنی تھا کہ میں غیر مہذب صاحبوں کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا جب میں افریقہ کے کوہستان میں تھا تو میرا یہ خیال تھا کہ اوجاڑ نگر کا مستقبل بڑا وسیع ہے چنانچہ آج مشاہدہ سے میں اپنے خیال کی تائید پاتا ہوں۔ میرا مقصد خاص یہ ہے کہ دنیا کے معاملات میں دلچسپی حاصل کروں اور اسکی حالت یہ ہے کہ ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند
روز و شب در ذق ذق و در بق بق اند

خاصکر ہندوستان جنت نشان کے ہندو مسلمان کی حالت غور طلب ہے۔ طرز تعلیم کا مسئلہ عملی طور پر حل کرنے میں میں اسپر بحث کرونگا۔ کہ آج جو طرز تعلیم جاری ہے وہ ہندوستانیوں کو بہتر بنانے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ میں ایک سرے سے تعلیم کو ہندوستان کے دل و دماغ کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جوں جوں یہ تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں اور پستی کی طرف نزول ہوتا جاتا ہے ؏ لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

اینجانب علیہ الکھوپڑی کے بیان کی شہادت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ عموماً جاہل اور ان پڑھ خدا ترس اور نیکدل معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایثار نفس کا مادہ موجود ہے! دیکھئے بوجھا اٹھانے والے مزدور سب جاہل ہیں۔ بھیک مانگنے والے خدا کے نیک بندے سب اجہل ہیں۔ کاشتکار جاہل لوہار بڑھئی چمار سنار دھوبی سقے سب جہالت کے دریا میں غوطے لگا رہے ہیں۔ اور ان میں ایثار نفس کا مادہ موجود ہے۔ ایثار نفس اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ان کو کسی مشقت میں عار نہیں ہے۔ (نعرہ تعریف) اگر خدانخواستہ یہ تعلیم کے جواہر سے آراستہ و پیراستہ ہوگئے اور ان کے دل و دماغ میں ہوائے حکومت سما گئی۔ تو تمام شرفائے شہر کی مٹی خاک میں مل جائیگی۔ اور ان کو سوائے پھیک یا افیون کھا کر سو رہنے کے اور کچھ نہ بن پڑے گا۔ میرے نزدیک تعلیم کا دروازہ یکلخت بند کر دیا جائے۔ اور انگلش ڈیریس میں سب کو آراستہ و پیراستہ کرکے گدھوں کی طرح بوجھا لادا جائے۔ اور ٹھیل کھینچنے کی ڈگری دیدی جائے۔ ورنہ صاحب لوگوں کی طرح ٹفن کھانے کے عادی ہوگئے تو یہ تر نوالا ان سے چھوٹنا محال ہے۔ بہرحال کچھ ہو تعلیم کے میں سراسر خلاف ہوں۔

؎ پڑھوگے لکھوگے تو ہوگے خراب
جو کھیلوگے کودوگے ہوگے نواب

اس اثر کو طلبائے علیگڈھ کالج نے اچھی طرح محسوس کر لیا۔ اور آئندہ پرنسپل صاحب کی عنایت سے امید ہے کہ وہ تعلیمی دریہ کو پھونک دینگے۔ اور اس الماغوچی کشمکش سے نجات حاصل کرکے مزے اڑائیں گے۔ اور ٹرسٹی صاحبان اس خیال کی تائید کرکے مدد دینگے۔ بلکہ اس کے معاوضہ میں تعلیم نسواں فائدہ وہ ثابت ہوگی۔ بشرطیکہ آزادی کے ساتھ حاصل

کرنیکا کھلا کھلا موقع دیدیا جائے۔ ہر شہر میں نارمل اسکول جاری ہوں۔ پردہ کی قید اُٹھا دی جائے۔ زنانہ کانگریس اور زنانہ کانفرنس منعقد ہو زنانہ ڈیپوٹیشن ترقی بیگم کی خدمت میں روانہ کیا جائے۔ زنانہ نمائش گاہ کھولی جائے جس میں منتخب روزگار لیڈیاں شریک ہو کر مردوں کی دلچسپی کا پورا پورا سامان مہیا کردیں۔ زنانہ پولیس مقرر ہو جو رات کو پہرہ دیا کرے۔ زنانی کچہریاں ہوں۔ زنانہ پارلیمنٹ مقرر ہو۔ زنانہ فوج باقاعدہ ہو جن کے پاس بجائے کرچ تلوار بندوق کے تیر مژگان اور تیغ نگاہ کے قدرتی ہتھیار موجود ہوں۔ اور یہ زنانہ عملہ رات کو حکومت کیا کرے (چیرز)

صاحبو! تعلیم کے فواید سے تو ہندوستان کے تمام لوگ آگاہ ہونگے کیونکہ اس مقدس سرزمین پر ایک قوم پہلے حکمرانی کر چکی ہے جس کی زبان سنسکرت تھی سب کو معلوم ہے کہ اس زبان میں نہایت عمدہ نفیس کتابیں فلسفہ اور لاجک کی موجود تھیں اس کے بعد ایک زمانہ وہ آیا کہ جب ہم لوگ یہاں آکر آباد ہوئے جنہوں نے علم کو بہت ترقی دی۔ بغداد۔ قرطبہ۔ غرناطہ کے دارالعلوم کیا یادداشت کے صفحہ سے مٹ سکتے ہیں۔ ہمارے ہی اسلاف تھے جنہوں نے پرانے یونانی علوم کو ایسی ترقی دی گویا ذرہ سے آفتاب بنا دیا۔ پھر نتیجہ کیا ہوا ٹائیں ٹائیں فش۔ آج غیر ملکوں کی جاہل قومیں بھی ہماری نسبت بہت اچھی حالت میں ہیں۔ یورپ اگرچہ فی زماننا علوم و فنون میں ضرب المثل ہے مگر پرانی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہ نعمت اسپین کے دارالعلوم نے دی۔ پھر نتیجہ یہ ہوا کہ گرد گڑ ہی رہے شاگرد شکر ہو گئے۔ ہندوستان کے ہندو مسلمان کو تعلیم راس نہیں۔ نزلہ بر عضو ضعیف میریزد یہ لوگ جتنا پڑھتے جائیں گے اتنا ہی گدھے ہوتے جائیں گے چنانچہ فی الحال ایک ہیڈ کلرک بنگلور میں غبن کے جرم میں ۶ سال کی قید اور آٹھ ہزار روپیہ جرمانہ کا سزایاب ہوا۔ یہ ساری آفت بیچارے کو علم کی بدولت بھگتنا پڑی۔ ایک اور اہم مسئلہ اتحاد اور اتفاق کا ہے اسکی نسبت میری رائے خلاف ہے۔ درحقیقت ہندوستان میں اتحاد اور اتفاق نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ ہندو مسلمان کا آپس میں کٹ کٹ کر مرنا بہت اچھا ہے۔ ملک کی آمدنی برقرار رہتی ہے وکلا کی جیب بھری پُری رہتی ہے۔ جیلخانہ کا بازار گرم رہتا ہے۔ سر پھٹول ہولی کا مزا دیجاتی ہے پولیس کی مٹھی گرم ہوتی ہے۔ جھوٹے گواہوں کو رقم کثیر حاصل کرنیکا موقع ملتا ہے۔ اہل عملہ کو گرہ کاٹنے موقع ملتا ہے۔ اخباروں کی اشاعت میں ترقی ہوتی ہے۔ تعصب اور ہٹ دھرمی

کا درخت بار آور ہوتا ہے۔ ایک بیوقوف کبھی چکنی چپڑی باتیں کر کے چند متنفس کو اپنا ہمخیال بنا لیتا ہے۔ اور خود لیڈر بننا چاہتا ہے۔ تو دوسرا عقلمند اس جال کو توڑ تاڑ کر پھینکدیتا ہے۔ مزا تو اس میں ہے کہ ایک لارڈ کرزن کو کوستا ہے تو دوسرا دعاؤں کا مینہ برساتا ہے۔ ایک سر فلر کو بے نقط سناتا ہے تو دوسرا ان کی ستایش میں بیحد مبالغہ سے کام لیتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ دونو نااہل جھوٹے کھلاتے ہیں سمجھدار چندیا سہلاتے اور بھیجا کھاتے ہیں۔ غرضکہ اس غپ شپ سے لوگوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔

چونکہ بنگال کے متعلق سوشیل ریفارم سے خاص دلچسپی رکھتا ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے کسی حد تک تمام الم غلم سوسائٹیوں کے قواعد کو عام طور پر اصلاح دی ہے۔ اس وجہ سے اسکے ضروریات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ آیندہ اتفاق کی امید رکھنا بیوقوفی اور سفلہ پن ہی نہیں ہے۔ بلکہ حماقت در حماقت ہے۔

الغرض میں وہی کہنا چاہتا ہوں جو شیخ چلی۔ مرزا مستا اور لالہ بوکھل نے کہا ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانا چاہیئے۔ اپنی ہنڈیا اپنی ڈوئی۔ درحقیقت یہ ایک بڑا وسیع اور نازک مسئلہ ہے۔ لیکن صاحبان آپ سب جانتے ہیں کہ اب وہ پرانا دقیانوسی زمانہ رخصت ہو گیا۔ اور اب زندگی کے تمام مشاغل میں عام بیداری پیدا ہوتی جاتی ہے اور نئے ترقی یافتہ خیالات اپنا قدم آگے بڑہاتے جاتے ہیں۔ اور یہ مشرق اور مغرب کی نزدیکی تعلق کا نتیجہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ قوم میں حد درجہ کی خوشامد اور سیان پن اور ہمچو من دیگرے نیست کا مادہ سما رہا ہے۔ صاحبو مجکو اب یاد دہانی کی کوئی ضرورت نہیں کہ اگلے زمانے میں ہر قوم میں ایک چودہری یا میر محلہ یا بزرگ ہوتا تھا۔ جس کا لحاظ اور پاس تمام قوم پر واجب تھا مگر فی زماننا وہ شخصی حکومت اٹھ گئی اور ہر محلہ میں پارلیمنٹ قایم ہونے لگی۔ اور ایک عام ہڑبونگ مچ گئی ہے۔ جس کو دیکھو بجائے خود شیخ چلی بنا ہوا ہے۔ اور یہ احمق للذین کبھی کاشتکار لوگوں کی مصیبت پر روتے ہیں۔ کبھی ٹکس کے بار گراں کی شکایت کرتے ہیں غرض وہ غل غپاڑا مچا رکھا ہے۔ جس سے ہمارے ہند میں خلل پڑ گیا ہے۔ ان بیہودہ خیالات کی طرف ہم توجہ نہیں کرنا چاہتے۔ رونا پیٹنا عورتوں کا کام ہے ؎

تا مردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

چلتے چلاتے اینجانب کی توجہ میں ایک بات آتی ہے۔ کہ جب تک قوم اپنی اصلی حالت پر واپس

نہ آئیگی۔ اسکی ہمسری نہ ہوگی۔ کیا معنی کہ پرانی چکیاں ہوں۔ وہی کچے مکان ہوں۔ وہی پونی چرخہ ہو۔ کاغذ کے بدلے کھرچ پتر ہو۔ سیاہی سادی غذا ہو۔ وہی گنتی وہی بنوتی۔ وہی گزی گاڑھا ہو۔ ریل بند کر دی جائے۔ بیل بجھنے ہوں ستو باندھکر جیو کسی سفر پیش کرتے ہوں کالی کملی اگر چھا دھوتی ایک مرزئی دیسی سوت کی جو اپ بنائے ہیا پہنے۔ چھپڑ باجتا وہی لہنگا وہی ساڑی آٹے کے بدلے نمک کھایا جائے۔ نمک یکسی نہ دستیاب شکر کہ بدلے شہد ہو تو آج ملک سنبھل سکتا ہے۔ مگر یہ کہنے سے ہو کا مزا چھوٹنا مشکل ہے۔

اب تو چسکا پڑ گیا کمبخت پنی کا ہیا دھنی

راقم لال بجھکڑ

ملکی ریفارمروں کی خدمت میں اپیل

کیوں حضرات آپ لوگوں نے باوجود جامہ مردمی کے زنانی طرفداری کا بیڑہ اٹھالیا اور پردہ کے غیر ضروری ہونے میں مسلے ڈھال ڈھال کر ملک میں زنانہ جوش پھیلانا شروع کیا۔

حالی صاحب کو کچھ نہ معلوم ہوا تو نکاح بیوگان پر بہت دھواندھار نظمیں لکھیں عورتوں کی بیکسی بے بسی دکھائی اونکی مظلومیت ثابت کی۔

مولوی نذیر احمد صاحب نے ایامی ٹھکر ملک کو متوجہ کیا۔ کہ بیوہ عورتوں کی شادی کیجائے اس بارے میں قرآن و حدیث سب ایک کر دیا عقلی اور نقلی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہونچادیا کہ ملک کی اندرونی حالت کا مطلع مدت مدید سے مکدر ہو رہا ہے۔ اسکی خاص وجہ بیوہ کی آہ سحری ہے۔

دنیا کا کوئی ٹکڑہ ایسے عجیب اور دہشتناک انقلابات کی نظیر نہیں پیش کر سکتا جیسی کی

ہندوستان کی تاریک حالت ہے۔ اس کی عام وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے تاریخی اوراق بیکس بیوہ کی نامراد آہوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ اور مزا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نئی اور پرانی روشنی والے دونوں شریک ہندو مسلمان سب ایک تمام ہندوستان اس دہائی میں شریک بلکہ قدیم تاریخ کی آنکھ تو انکی پر درد حالت پر اور بھی خون کے آنسو بہاتی ہے۔

اس خفیف الحرکتی کے اسباب کی بدولت ہندوستان کے غافل ہندو مسلمانوں نے ایک کروٹ بدلی اور بیداری کے کچھ کچھ آثار نظر آنے لگے۔ لیکن ابھی تک اصلاحی اثر بہت کم قبول کئے گئے۔ صرف اخباروں میں غل غپاڑہ مچایا گیا۔ اور بیوقوف ہندوستان کی دولت لوٹنے والوں شاطروں نے اس میں بھی اپنا کام کر لیا۔ ہماری یاد میں بدقسمت ہندوستانی کبھی کسی امر میں اتفاق سے کام نہیں لیتے۔ لیکن بخلاف اپنی جبلی عادت کے شادی بیوگان میں سب خود غرض تنزل طلب اور مدبر نیکدل جھوٹے سچے بڈھے جوان سب ایک زبان ہو کر ہمہ تن کوشش میں مشغول ہوئے اور انکی آزادی اور حریت کے دعوے کو جلی حرفوں میں لکھکر ملک میں پیش کرنے لگے۔

لیکن اس کے ساتھ مردوں کی خواہش کا پہلو نہایت تاریکی میں ڈالدیا۔ اور ان کی اشتہا کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ اور انکی آزادی کے سامنے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی اسواسطے کہ شریعت کا عام حکم مردوں کے واسطے چار نکاح تک کرنیکا ہے۔ اور درحقیقت دنیاوی لحاظ سے اس کی ضرورت بھی تھی۔ کہ اگر پہلی بیگم صاحب سے کچھ کھٹ پٹ ہو جائے تو پریشان خاطری سے سو رہنے کی حاجت نہ رہے۔ بلکہ دوسرے محل میں آرام سے بسر ہو اور جو وہاں بھی رنج کا سامان رہتا ہو تو تیسری راحت دل بغل میں ہو۔ انکے بھی ناز و غمزہ کا تھرمامیٹر حد اعتدال سے زاید ترقی کر جائے۔ تو چوتھی ماہوش پری پیکر حور جنت چوتھی کی دلھن بنکر بستر استراحت کو بغل کو گرم کرے۔

مگر مدبران ملک نے اس دروازے ہی کو بند کر دیا۔ اور ایک شادی سے زیادہ ناجائز قرار دیا۔

مولانا نذیر احمد صاحب تو دو بی بیوں سے بھی انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی محبت کے دو حصے نہیں ہو سکتے ؎

ہم معتقد دعوی باطل نہیں ہوتے پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

پھر کہتے ہیں اور صلاح دیتے ہیں کہ زنہار ہرگز دو بیبیاں نہ کی جائیں۔ ورنہ مبتلا کی طرح جان آفت میں ہو جائے گی ؎

میری سنو اگر نہیں گوش قبول کر
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

اب بتائیے کہ ایک بیوی کو جب یقین کا ہو گیا۔ کہ میاں آگے قدم نہیں اٹھا سکتے۔ تو بھلا وہ کب سیدھی رہنے والی ہے۔ اس کا دماغ عرش معلی پر کیونکر نہ پہونچ جائے۔ دوہنتی ہے کہ میاں کی معراج ترقی کی حد بھی تک قرار دیدی گئی ہے۔ حرام کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور دو بیبیوں سے ملانے پرہیز لکھدیا اب جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ اس سے تمام ہمدردوں کے اقتدار میں بٹہ لگ جائے گا۔ اور ان سے محبت و اتحاد کا ایک لمحہ بھی ان کے دماغ میں گذر نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ آزادی اور حریت کے خیال نے اس فرقے کے کان میں کچھ اور ہی پھونک دیا ہے۔ بہرکیف عورتوں کی چل پہل کو اب عام نگاہوں سے عمداً نہ دیکھنا چاہیئے۔ اور اس زنانہ بغاوت کی آتش کو مردانہ بہادری سے بجھانا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے اقتدار کے واسطے یہ شورش سخت مضر ہے جاپان اور روس کی لڑائیوں سے عورتوں کا آزادی کے واسطے غل غپاڑہ مچانا کچھ بیجا نہیں ہے۔ بہرحال گو ملکی مدبر اس امر کو دنیا کی ترقی کے واسطے نیک فال سمجھتے ہوں۔ لیکن ہماری ذاتی رائے اس کے خلاف ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک حرفہ ڈگری دینے والے حضرات اگر ہماری اپیل پر غور نہ کریں گے۔ تو مرد انے تمام مقدمے ڈس مس ہو جائیں گے۔ اور انگلستان کی طرح ہندوستان بھی اس امر میں بکھر کر رہ جائے گا ؎

ملکی بہروپیے

انکی تصویر کو سو رنگ بدلتے دیکھئے

جس طرح بعض بہروپیے چار پیسے کمانے کے واسطے اپنی وضع قطع مردمی۔ انسانیت سے ہاتھ دھو کر لہنگا۔ ساری یا پائجامہ۔ دوپٹہ محرم کرتی پہنکر ناک میں نتھ۔ کانوں میں بالیاں۔ پور پور چھلے۔ گلے میں طوق۔ دھدھکی۔ طرح طرح کے زیورات پاؤں میں مہندی ملکر عام خلقت کو تماشائی بنا کر زنانہ لباس میں بھیک مانگ لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض عزت فروش ہندو مسلمان ہیں۔ جو محض بیجا خوشامد اور معکوس ترقی اور تنفر آمیز تہذیب کی دھن میں اپنی آبائی طرز و روش کو چھوڑ کر مرزئی۔ انگرکھا۔ کرتہ۔ دھوتی۔ پائجامہ۔ گھٹنا۔ عبا۔ قبا۔ چوغہ۔ چپکن۔ دوپلی ٹوپی۔ چوکونٹ پگڑی۔ شملہ دیسی لباس پوشاک کو خیرباد کہکر مجازی جنٹلمین بننے کی فکر میں ڈاڑھی۔ مونچھوں کا صفایا بولکر افلاس اور مصیبت کو اپنے گلے کا ہار بنا لیتے ہیں جو ملک کی تباہی اور بربادی کا ایک پیش خیمہ ہے۔

اس مبارک زمانے میں جبکہ گورنمنٹ کے عالی شان اور بے نظیر اقبال کی وجہ سے اعلیٰ درجے کا امن و اطمینان حاصل ہے۔ افسوس ہے کہ ان برکات سے ہمکو فائدہ اٹھانے کی مطلق لیاقت نہیں بلکہ روز بروز قعر مذلت میں گرتے جاتے ہیں اس سے بڑھکر ادبار و بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے ہندوستان کی قحط سالی جس وضعداری سے اپنا قدم آہستہ آہستہ ترقی کے میدان میں بڑھاتی جاتی ہے اور جس سلامت روی کی چال سے دل میں گھر کرتی جاتی ہے۔ وہ قابل تقلید ہے۔ لاکھ پیداوار ہو مگر یہ نیک بخت اپنی جگہ سے ٹسکتی ہی نہیں بلکہ روز بروز گرانی کا پلہ تحت الثریٰ کو چلا جاتا ہے اکثر بندگان خدا آٹھ پہر کی مزدوری کے بعد چار پانچ دم سے ٹکڑا ٹکڑا کھا کر بسر کرتے ہیں اور فاقے اور سردی کے مارے مرنڈا ہو رہے ہیں۔ ایک طرف افلاس اور مصیبت کا یہ رونا دوسری طرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ بھائی نیم وحشی ہندوستانی مہذب انگلستان کی تقلید میں انگریزی چال ڈھال خورد و نوش وضع قطع کا چربہ اتار رہے ہیں۔ کوٹ اور کوٹ پتلون کالر ہاتھ میں ٹیڑھا ڈنڈا۔ ڈاسن کا بوٹ۔ رپ رپ کرتے ہوئے ترقی کی تلاش میں سرگردان ہیں۔ جدید تہذیب کا جامہ

پہن لیا ہے۔ پرانا اسباب پھینکا جاتا ہے۔ موجودہ فیشن کے مطابق کمرہ آراستہ کیا جاتا ہے۔ تصاویر مختلف مقامات کے نقشے۔ گلدستے۔ فونو۔ ہرقسم کی شراب۔ چھری۔ کانٹا۔ میز۔ کہاں تو دال روٹی روکھی سوکھی بانٹ کر کھانے والے۔ کہاں یہ اصراف بیجا۔ آئے تو کہاں سے نتیجہ یہ ہوا کہ قومی ہمدردی اور بہی خواہی اٹھتی جاتی ہے۔ ہر شخص اپنے اخراجات کافی طور سے مہیا نہیں کر سکتا۔ سرکاری ملازمت عنقا مصیبت اور افلاس دامنگیر۔ ایسی حالت میں اپنے متعلقین کی معیشت کی فکر کیا خاک کرے۔ جبکہ اپنا ہی بھلا نہیں ہوتا طرہ یہ کہ انکی دیکھا دیکھی ان کے اور ہم صحبت چاہے انگریزی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اسی پوشاک اور اسی لباس میں کھسکتے آتے ہیں۔

پچاس روپیہ کی تنخواہ اس میں گرمی سردی جاڑا برسات کوٹ پتلون ملازم مہینہ پچاس روپیہ تو اکیلے صاحب بہادر کے فیشن کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس مہنگی کے زمانے میں کھانے کو کہاں سے آئے۔ رفتہ رفتہ اگلی ہڈیوں کی گاڑھی محنت کی پس اندوختہ رقم انگلستان کی اس بیجا تقلید میں تشریف لیئے جاتی ہے۔ اور یہی قومی بہروپیے اپنے ساتھ اور ملکی بھائیوں کا بھی ستیاناس کرتے جاتے ہیں۔ زبان سے سدیشی سدیشی پکار کر ترقی اور آزادی کا غل مچا کر قوم کی دولت مٹا رہے ہیں۔ آج ایک صاحب جاپان جاتے ہیں۔ قوم کی بہبودی اور خیر خواہی کے واسطے صنعت و حرفت سیکھکر آئیں گے۔ اور قوم کو تعلیم کریں گے۔ انکی مدد کرو۔ کل کیا ہے دوسرے صاحب یورپ جاتے ہیں صنعت و حرفت سائنس دیگر تجربات حاصل کرنے ان کی گاڑی کا جوا کندھے پر رکھکر کھینچو۔ یہ تمام قوم کو فلاکت کے جیلخانہ سے نکالکر عرش اعلیٰ پر بٹھادیں گے۔ خیر صاحب یہاں تک غنیمت ہے پھر واپس آنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ ایک طول طویل لکچر جس میں تمام ہندوستانیوں کی کوئی نصیحتی باقی نہیں رہتی اور ان بخرجیوں کو دل کھول کر جاہل بیوقوف احمق بنایا جاتا ہے۔ اور لکچرار کا عنوان اس وسیع معلومات سے ہوتا ہے "اے محبان قوم آج ہم اپنے اس فرض کو ادا کرتے ہیں جس کا ہم نے چلتے وقت تم سے وعدہ کیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ابھی تم نے ترقی کے اس زینے پر قدم نہیں رکھا جس کے کوٹھے پر دول یورپ براج رہے ہیں۔ تم لوگ خودغرض دغاباز ہو۔ تمکو قومی ہمدردی نہیں آتی۔ تم ملکی خیر خواہی نہیں جانتے۔ مہذب قوم

اور غیر مہذب قوم میں بھی فرق ہے کہ تم لوگ اپنا پیٹ بھر کھانا مانگتے ہو اپنی ذات کو افلاس سے بچانا چاہتے ہو۔ اپنی آیندہ نسلوں کے واسطے کچھ نہیں کرتے ہو۔ تمکو چاہیئے کہ ہندوستان سے نکلکر اطراف یورپ میں پھیل جاؤ اور اُن کے عادات اطوار اوضاع اختیار کرو آج دنیا میں جو قومیں سرسبز ہیں ان کا اصلی سبب یہ ہے کہ وہاں کی عورتیں آزاد اور تعلیم یافتہ ہیں تمنے اپنی مظلوم پردہ نشین عورتوں کو کمزور اور ذلیل کر دیا ہے اُنکی عصمت کے بہانے سے اُنکو قید کر رکھا ہے عصمت جائے بیزار سے جان تو سلامت رہیگی۔ تم پر یہ عورتوں ہی کی مار پڑی ہے۔ جو تم ورطۂ افلاس میں غوطے کھا رہے ہو۔ تم ہندوستانیو بہت خراب آدمی ہو۔ میلا کچیلا کپڑا پہننے والے تمکو صفائی کا مطلق خیال نہیں ہندوستان کے لوگ تمام دنیا میں گندے مشہور ہیں۔ تم ہندوستانیو قلیوں کی قوم نجس ناپاک میلے ہو۔ تمہارے پاس کھڑے ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ تم دقیانوسی عربی فارسی رٹتے ہو تمکو شرم نہیں آتی کہ اس پرانی بڑھیا کی عاشقی کا دم بھرتے ہو۔ تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو یورپ کی تقلید کرو۔ میم صاحب کو دیکھو اور صاحب کو دیکھو اور پھر اپنا اور اپنی بیوی کا موازنہ کرو۔ اسوقت ہماری فرد قرارداد جرم کو صحیح پاؤ گے۔"

" چلو چھٹی ہوگئی۔ گئے تھے روزے بخشوانے الٹی نماز گلے پڑی۔ اب کیا تھا۔ تمام ملک کے خیالات پلٹ گئے۔ صاحب بہادر بننے کی فکر میں اپنا اساس البیت ٹھکانے سے لگا کر کوٹ پتلون بنوالیا۔ اور گٹ پٹ اڑانے لگے۔ یورپین لوگوں کو بھی ہماری اس بیجا تقلید سے نفرت ہوگئی۔ اور وہ ہمکو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اخراجات کی زیادتی نے جان عذاب میں ڈالدی۔ دغا بازی اور مکر سے روٹی کمانے کے عادی ہوگئے۔ ہندوستانیوں کا سر نیچا ہوا اور بھیجا کھایا۔ غرضکہ ہماری ترقی کی شاہراہ میں اُن ملکی بہروپیوں نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ اسپر بھی یہ ہندوستان کے جانی دشمن اور ملکی بدخواہ چین سے بیٹھنے نہیں دیتے اور ملک میں بیچینی کے اسباب پیدا کرنے کو پیسے والے لچ چوں چوں کی طرح ترقی کرو ترقی کرو! کی رٹ لگا کر ملک کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں افسوس ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود یافتم کم در جہاں

بس حضرت ہم باز آئے آپ کی جدید ترقی اور آزادی سے آپ پہلے تعصب کی عینک

اور آزادی کا کوٹ اور حماقت کا پتلون اُتار دیے جس کے پہنتے ہی چودہ طبق زمین اور آسمان کے کھل جاتے ہیں۔ اور آزادی کے سبز باغ دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا نہو کہ اس نئے بہروپ سے پاگل خانے کی سیر دیکھنے کے بعد افلاس اور مصیبت کی دیمک لباس ظاہری کو بھی چاٹ جائیے پھر جامۂ اصلی کے سوا کچھ نہ رہے گا بقول شاعر ؎

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

تعلیم کا چرخہ

نواب محسن الملک سکریٹری مدرسۃ العلوم علیگڑھ اس وقت تعلیم نسواں کا ذوق و شوق بڑھانے کی غرض سے بمبئی میں مقیم ہیں۔ نواب صاحب اپنی تقریر میں بڑا زور لگا رہے ہیں تاکہ آیندہ مدرسۃ المعلمات کا افتتاح کامیابی سے ہو۔

اڈیٹر انسٹیٹیوٹ گزٹ اسکی تائید کرتے ہوئے تعلیم نسواں کے فضائل ارشاد کرتے ہیں۔ (بیشک جب تک مستورات پڑھی لکھی نہ ہوں کسی ملک کے باشندے تعلیم یافتہ قوم نہیں بن سکتے) یہ سب سچ ہے۔ مگر یاد رہے عورتوں کی تعلیم وہی بہت کافی ہے جیسی آجکل خاندان شرفا میں مروج ہے۔ عورتوں کا شدبد پڑھ لینا اپنے اپنے مذہب کی واقفیت اور امور خانہ داری کے واسطے کافی ہے۔ زیادہ آزادی اور مدرسوں کی آمد و رفت میں اپنی عمر کا حصہ ضائع کرنے سے امور خانہ داری میں عدم واقفیت کا اندیشہ ہے۔ اور یہی رائے عام مدبرین کی ہے۔ اور علیگڑھ کی گرد سر سید مرحوم کی تھی۔

دوسرے اولاد اسی وقت تک تعلیم یافتہ پیدا ہو سکتی ہے کہ جس وقت تک بی گھر بسی یعنی لڑکوں کی مائیں اپنا دماغ تعلیم کے خلفشار سے کمزور نہیں کرتی ہیں۔ اور اگر یہ مادہ عورتوں کا خرچ ہو گیا تو اولاد جاہل ضعیف الدماغ کودن پیدا ہوگی۔ اور آیندہ مردوں کا بھی تعلیمی دروازہ بند ہو جائیگا۔ لاکھ پڑھاؤ گے سوائے ٹیں ٹیں کے کچھ نہ آئیگا۔ کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے

اور تاریخ بھی بتا رہی ہے کہ جاہل اور غیر تعلیم یافتہ عورتوں کے بچے علمی دنیا میں نام آور ہوئے ہیں کسی پیغمبر کی والدہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔

خود سرسید کی والدہ اسی قدر پڑھی ہوئی تھیں جس قدر اس وقت شریف خاندانوں میں مروج ہے۔ شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب مراۃ العروس میں لکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی عورتیں شد بد لکھنا پڑھنا جانتی ہیں۔ قوم میں جس قدر رفارمر آج موجود ہیں انمیں سے اکثر اس امر کا اعتراف کریں گے کہ والدہ کی طرف سے ان کو تعلیمیافتہ ہونیکا فخر حاصل نہیں۔ چنانچہ مسٹر دادا بھائی نوروجی کی والدہ بالکل جاہل تھیں۔ خوف ہوتا ہے کہ جس طرح مردوں نے اپنا علمی مادہ اپنی غلط کاریوں سے دماغ کو ضعیف اور برباد کرکے ایکطرفہ ڈگری حاصل کرلی ہے۔ اسی طرح عورتیں بھی تعلیمی مارکاٹ سے اپنا مادہ علمی نہ کھو بیٹھیں تو آیندہ سرسید اور محسن الملک اور شمس العلما جیسے لایق ہونہار بچے پیدا ہونا یک قلم موقوف ہو جائیں گے۔ اور قوم میں کوئی رفارمر نہ رہے گا۔ ابتک جو ذہین بچے پیدا ہو رہے ہیں یہ صرف ماؤں کی دماغی قوت کا اثر ہے۔

اس خطرناک اندیشے کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور عورتوں کی تعلیم کی طرف زاید سختی سے توجہ نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ آیندہ ٹھس اور غبی کند ذہن بچے اور کم شوق پود پیدا ہوگی۔

ادھر عورتیں تحصیل علم کے بعد سرکاری ملازمت کی تلاش میں پردہ کو سلام کرکے نو دو گیارہ ہو جائینگی۔ مردوں کو گھر کا خانساماں یا بچوں کی کھلائی بننا پڑیگا۔ عورتوں کے ہوتے ہوئے مردوں کو سرکاری ملازمت ملنا دشوار ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پردۂ عصمت کو اپنی آزادی میں کامیابی نہ ہوئی اور ہندوستان کے مہذب شہروں میں حیدرآباد کی ناگوار تقلید نہیں کی گئی۔ اسلامی دنیا نے مضحکہ اڑایا۔ اب اسکی تلافی کے واسطے اور اس کمی کے پورا کرنے کی غرض سے تعلیم نسوان کا بہانہ کرکے عورتوں کے دماغوں میں مادۂ فاسد اور اوہام باطلہ بھرنے کی غرض سے نارمل اسکول کی تجویز پر زور دیا جاتا ہے۔

فلہذا اس کو بھی پردے کی مخالفت کا موید سمجھنا چاہیے۔

کیونکہ جب عورتیں تعلیم کے جنگل کی ہوا کھائینگی اور پرائمر کے سخت الفاظ زبان پر ٹوٹنے لگیں گے اور کچھ گٹ پٹ لیں تو آجائیگا۔ پورانی پوشاک سے دل ہاتھوں بیزار ہو جائے گا

زیور سے قطعی انکار ہو جائے گا۔ سایا سایہ کی طرح لپٹ جائے گا۔ میم صاحب بننے کا شوق سوار ہو گا۔ پردہ آپ سے آپ تشریف لے جائے گا۔

ابھی ہماری قوم کے بچوں پر کفر الحاد کے فتوے دوار ہے ہو۔ آیندہ عورتوں کی بھی یہی گت ہونا ہے۔ ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

بگڑ جائیگی ساری آبرو تعلیم نسواں سے
نہ برآئیگی دل کی آرزو تعلیم نسواں سے

بنے ہیں مرد صاحب عورتیں بھی میم بنجائیں
یہی کیا دل میں ہے اب آرزو تعلیم نسواں سے

حمیت اور غیرت نام کو جو ہم میں باقی ہے
کرو گے اسکی بھی اب شست و شو تعلیم نسواں سے

پھریں گی بگھیوں میں دشمن تہذیب بے پردا
بری ہو جائیگی آخر کو خو تعلیم نسواں سے

ابھی کچھ عورتوں میں شرم اور ایمان باقی ہے
چھلک جائے گا آخر یہ سبو تعلیم نسواں سے

پڑھاؤ عورتوں کو گھر میں اسکولوں میں مت بھیجو
حقارت ہو گی ورنہ چار سو تعلیم نسواں سے

ابھی تو کچھ ادب کرتی ہیں اپنا عورتیں گھر میں
بگڑ جائے گی بالکل گفتگو تعلیم نسواں سے

کبھی تو آپ تھے اب تم بنے ہیں آپ سے گھٹکر
نہ ہو جائے کہیں اب تم سے تو تعلیم نسواں سے

کبھی یہ نارمل اسکول رنگ اپنا نہ دکھلائے
نمازیں ہو نہ جائیں بے وضو تعلیم نسواں سے

اگر اولاد کی الفت ہے تو گھر میں پڑھا لینا
بگڑ جائیگی لے سسرے ہو تعلیم نسواں سے

پڑھینگی یہ تو ہنڈیا تم پکانا بیٹھکر گھر میں
بہو ہو گی ایک سنت در گلو تعلیم نسواں سے

مہذب بیبیاں ہو جائیں گی پڑھکر یہ امر کو
کہ آ جائے گا بس نوا در تو تعلیم نسواں سے

ادائیں باکپن کی نازلی سکھلا نہ دے انکو
یہ حشر و ہو نہ جائیں تر شرو تعلیم نسواں سے

زن و شو میں کسی دن سر پھٹول علم کی ہو گی
بجے گا ندیوں آخر لہو تعلیم نسواں سے

علاج اے بجبہ گر یکا رہے ہم دردمند اکا
نہ ہو گا چاک دامن کا رفو تعلیم نسواں سے

پڑھانا تم پڑوسن بنت بنت کو سکھاؤ تم
وگرنہ ٹوٹ جائے گا وضو تعلیم نسواں سے

ظرافت الدولہ بہادر کے نوٹ

بدعہد کو گاجر جو دکھائی ہمنے
اور اوڑھنے کو دی جو رزائی ہمنے
کہنے لگی پھر دل میں غنیمت ہے یہی
منہ مانگی مراد اپنی پائی ہمنے

یہ روز سر شام کہاں جاتی ہے
یاروں کو فقط کوٹھے پہ بلواتی ہے
ننھی ہے سمجھتی نہیں نادان ہے ایسی
گڑ پھوڑ کے مٹکی میں ابھی کھاتی ہے

کچھ طنز سے میں نے جو کہا یہ ہنسکر
جاتی ہے کہاں رات کو خیلا رانی
سمجھی کہ اشارے سے بلاتے ہیں مجھے
منہ میں وہیں قحبہ کے بھر آیا پانی

شیطان سے لکھوا کے ہمیں خط بھیجا
یہ کون طریقہ تھا بتا او بد راہ
اب ایسوں سے مطلب کے لئے ملتی ہے
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

نالۂ میم

یہ نہ معلوم تھا مٹ جائے گی شہرت میری
بن کے اس طرح بگڑ جائے گی قسمت میری
حاجی بغلول نے کیوں ساتھ دیا ہے میرا
اور کھلوائے گا یہ شخص حقیقت میری
ناچ کر بھاؤ بتانے لگی کیوں میرے لئے
ہوئی مردار کے ہاتھوں سے بری گت میری
شوق سے مثنوی پامال کریں سب احباب
مجھکو منظور ہے اس میں بھی ہے شہرت میری
منے حجام نے سر مونڈ لیا خود میرا
مٹ گئی آہ صد افسوس مشقت میری
رند کے سامنے دعوائے سخن میں کرتا
اتنی ہمت نہ مری تھی نہ تھی جرأت میری
غاد بھی اب نہیں آتے ہیں مدد کو میری
داغ دیتی ہے انھیں گرد کدورت میری

کر کر اپاؤ گے چھاؤ گے اسے جتنا تم
مثنوی سے تو ہے پوشیدہ لیاقت میری

مٹ گئی آہ بہار رخ گلزار ادب
بوئے گل سی ہوئی برباد ہے نکہت میری

مَلُولَہ

کسی کے نام سے جلتی ہوں میں مجکو عداوت ہے
دوہا جو ہے نگوڑا اس سبب سے سخت نفرت ہے

کبھی مردار کہتا ہے کبھی بغلول کہتا ہے
خدا کی شان ہے لو آج یہ میری حقیقت ہے

نہیں ہیں جان صاحب کس سے میں تحقیق کرواؤں
حمل کہتے تھے وہ معلوم مجکو یہ حقیقت ہے

حکیموں کو کہا حجام یہ کیا دھینگا مشتی ہے
نگوڑا چودھری ہے آج اس ہادی کی عزت ہے

بنایا بڈھے بکرے مرزا مستا کو یہ کیا معنے
وہ بیٹا داغ کا ہے غاد اسکی آج شہرت ہے

مٹے یہ مثنوی جس کے عوض مجکو مٹاتے ہیں
اڑیں وہ کلمو ہے جنکی بدولت میری یہ گت ہے

غضب کرتے ہو فالج کب گرا تھا مجھپہ سچ کہنا
ارے میں جان کر بنتی ہوں یہ میری نزاکت ہے

بڑھاپا کب مجھے آیا ہے کیوں تہمت لگاتے ہو
ابھی بچہ ہوں میں اسواسطے لونڈوں کی الفت ہے

میں رستم جنگ سے ہرگز نہ بخشوں گی نہ بخشوں گی
ارے میں جانتی ہوں یہ اسی کی سب شرارت ہے

تم کس لئے ہو؟

دانت ہاتھی کو خدا دیتا ہے کھانے کے لئے
اور لنبی سونڈ ہوتی ہے دکھانے کے لئے

مثنوی میں بھی اسی صنعت سے صدہا عیب ہیں
کچھ دکھانے کے لئے ہیں کچھ بنانے کے لئے

اڑ گئی ساری ہوائے باغ گلزار عمل
اس چمن میں اب خزاں کہتی ہے آنے کے لئے

ہم صفیرو تم خس و خاشاک لاؤ ڈھونڈھ کر
ہم بھی اپنا آشیاں اب ہیں بنانے کے لئے

رو رہے ہیں مثنوی کو اب طرفدار قدیم
اک بہانہ ہو گیا آنسو بہانے کے لئے

منتظر سرکار ہوں گے خط بنانے کے لئے
کوئی مہتر ڈھونڈھ لو کھڈی کمانے کے لئے
ہم سے اب آیا ہے وہ باتیں بنانے کے لئے
کوئی ڈوکر ڈھونڈھ لو غمزے اٹھانے کے لئے

منے حجام اپنی کسوت لے کے جاتا کیوں نہیں
اب تو نائی اور درزی جمع ہیں اخبار میں
بات کرنے میں بھی جس کی لڑکھڑاتی ہے زبان
اس بڑھاپے میں یہ نخرے کیسے گستاخی معاف

آہ فالیج تو کہیں جانے نہیں دیتا اُسے
آئے ہیں طاعون خاں بھی اب بلانیکے لئے

پنج سبھا

نمبر ۱

(آمد منے حجام کی پنج سبھا کے)

سبھا میں دوستو نائی کی آمد آمد ہے
خوشی سے چھپے لازم خزاں کو ہو نگاہ
ہمیشہ رکھتا ہے پاکٹ میں استرے قینچی
یہ خط بناتے میں قسمت کو اپنی روتا ہے
اگرچہ پاس یہ رکھتا نہیں ہے کسوت تک
وہ مکھیوں کی طرح دوڑ کر پہنچتا ہے
جو خاکروب ہے آبا تو ماں بھی دھوبن ہے
سنا ہے ہونے کو حجام کی ہے اب شادی

حرامزادے کے بھائی کی آمد آمد ہے
کہ اس چمن میں صفائی کی آمد آمد ہے
کہ آجکل تو کمائی کی آمد آمد ہے
حمل سے مائی ہے بھائی کی آمد آمد ہے
یہ رنڈیوں سے تہائی کی آمد آمد ہے
سنا کہیں جو مٹھائی کی آمد آمد ہے
کمائی اور دھلائی کی آمد آمد ہے
خدا کے فضل سے دائی کی آمد آمد ہے

(چوبولہ نائی کا اپنے حسب حال)

پڑھا ہوں میں قوم کا منے میرا نام
سن رے متا دیو رے دلکو نہیں قرار
گوبر سے لیپو چوترہ لمبا اک میدان
میرے سیتا پور میں راجہ اور مہاراج
لاڈ پریوں کو میری جلدی جا کریاں

پریوں کی بن دید کے نہیں مجھے آرام
پنج سبھا جلدی سے ہو جائے تیار
مجھکو اُس پر بیٹھنا بدالش کے درمیان
دھوبی نائی دونوں میری قوم کے سرتاج
باری باری آن کر رہتیں ہیں میاں

(آمد برباد پری کی بیچ سبھا کے)

بزم مہراج میں برباد پری آتی ہے
اور پھر آپ ہی گھر اپنے چلی جاتی ہے

لقوے فالج سے محبت ہے ہمیشہ سے اسے
منہ بھی ٹیڑھا ہے زبان تھوڑی سی لنگڑاتی ہے

منہ پہ پھٹکار برستی ہے پھٹا پھٹ اس کے
رونا آتا ہے یہ جب راگ نیا لاتی ہے!

جب کوئی اس کو ستاتا ہے تو رو دیتی ہے
غل مچاتی ہوئی سر پیٹ کے چلاتی ہے!

نائی اور دھوبی سے رہتی ہے محبت اسکو
ایرے غیروں میں سدا عمر کٹی جاتی ہے

سٹیاں شہدے سے جو تعلیم ہے پائی اس نے
نخرے ہر ایک سے کرتی ہے یہ اتراتی ہے

شعر خوانی زبانی برباد پری کے

پیپل پہ رہا کرتی ہوں یہ کام ہے میرا
بھتنی ہوں پہ برباد پری نام ہے میرا

میں ساتھ میاں پنچ کی رکھتی ہوں دو ورقی
روی جسے کہتے ہیں وہ گودام ہے میرا

کوڑی پہ سدا جان دیا کرتی ہوں اپنی
گوبر میں جو پیسہ ہو وہ انعام ہے میرا

کہتے ہیں جسے لوگ جہاں میں شب تاریک
پر نور وہ رخسار سیہ فام ہے میرا

خرسند مجھے دیکھ کے ہوتی ہے خدائی
مادہ ہوں میں نر مورد الزام ہے میرا

کرتی ہوں دل و جاں سے میں لونڈوں کی پرستش
کہتے ہیں جسے کفر وہ اسلام ہے میرا

قسمت نے مجھے رتبہ اعلےٰ سے گرایا
ہر بمپولس شہر نیا بام ہے میرا

کچھ اہل ظرافت سے میرا بس نہیں چلتا
میں نیک تھی اب شہر میں بدنام ہے میرا

چھند زبانی بربادی پری کے سبھا میں

نائی منے دیس میں رہے سدا برباد
شہر میں ایسا کوئی نہیں ہے دوسرا فصاد

کاکوری سے بلایا مجکو سبھا میں اپنی آج
دولت مال خزانے کے سدا رہو محتاج

ہیرا پنا چاہیئے سدا مجھ کو ڈھیر
پانسہ اپنا پلٹ گیا ریلوڑی کا ہے پھیر

ٹھمری زبانی بربادی پری

اب چین کہاں ہے آٹھ پہر
ساتھی کی نہیں بالکل ہے خبر

لو ہاتھ میں جوڑوں آٹھ پہر
ہو جائے دیا کی اب تو نجر

جوتوں کا گلے میں ہار رہے
ذلت کے تخت پر بیٹھ نڈر

اے رستم جنگ اپنی ہے دعا
اک ہاتھ لگا ڈبا پر دگر

بسنت زبانی بربادی پری کے

رُت آئی بسنت عجب بہار | ہو جائے غریبوں پر بوچھار
روئیں پیٹیں بھاری بھرکم | جیویں نائی دھوبی جم جم
لونڈے جا کر گھر میں چھپیں | چیخیں نائی اور کہار

رُت آئی بسنت عجب بہار

غزل زبانی بربادپری کے

دوستوں سے بیوفائی کا گلہ کچھ بھی نہیں | ہم خطا پر تھے پر ان کی تھی خطا کچھ بھی نہیں
لونڈے سارے دُم دبا کر چھپ گئے کونے میں اب | اس زمانے میں یہ سچ ہے آشنا کچھ بھی نہیں
مورد الزام ہم کو لوگ کرتے ہیں عبث | بے دہانی کہتی ہے ہم نے کہا کچھ بھی نہیں
بے تکی سی بات پر کیوں اسقدر اتراتے ہیں | بدنصیبوں کو مگر آتی حیا کچھ بھی نہیں
ایک تو ہیں سیکڑوں اغلاط اس پر یہ غرور | رند تو کچھ بھی نہیں تھے اور صبا کچھ بھی نہیں
لات ماری اور گھونسوں سے بھی مارا اے ظریف | ہاتھ کی تقصیر پاؤں کی خطا کچھ بھی نہیں
میں نے ان لونڈوں کے ہاتھوں جھیل لیں بدنامیاں | اب ہجوم نا امیدی کے سوا کچھ بھی نہیں

ہولی زبانی بربادپری کے

ساری عزت بوری۔ شیام موسے کھیلو نہ ہوری
کاکوری سے میں بھاگ کے آئی مائے باپ کی چوری

شیام موسے کھیلو نہ ہوری

اُلٹی سیاہی منہ پہ لگی ہے۔ سارے جگ میں اپنی ہنسی ہے
ماتا چمارن اپنی ملی ہے ذات کا بادا کوری

شیام موسے کھیلو نہ ہوری

تم سے بگاڑی ہم نے موہن چھوٹ گیا سب اپنا بھوجن
باندھ لیا ہے ہم کو پتا نے دھیلی کر دیں ڈوری

شیام موسے کھیلو نہ ہوری

غزل زبانی بربادی پری کے

چھپ جاتی ہوں بہت اب تم نہ شرماؤ مجھے | عیب جلتے دشمنی میں ہیں نہ دکھلاؤ مجھے

میں جنسِ نکمی ہوں میری یہ نہیں کہتی ہیں محفل
اچھل کر باندھا کسی نے ہو تو دکھلاؤ مجھے

ناچنی گانی بہت اچھی تھی مینے کب کہا
اپنی تا دیلیں بنا کر اب نہ شرماؤ مجھے

میں تو سردی میں ٹھٹھر کر رہ گئی ہوں آجکل
ظالمو بہرِ خدا اتنا نہ گرماؤ مجھے

بے زباں ہوں گاؤں میں کوئی سے کوئی غزل
ناچتی ہوں اور آتے ہیں فقط بھاؤ مجھے

غزل دوسری زبانی بربادپری کے

سر پھوڑ کر میں جان نہ دیدوں تو کیا کروں
اب کب تلک اعتراض کے صدمے سہا کروں

جی چاہتا ہے اپنے پیا پر میں ہوں نثار
دن رات انکے نام کا مالا جپا کروں

ہر چند چاہتی ہوں نہ بولوں حریف سے
قابو میں اپنے دل کو نہ پاؤں تو کیا کروں

اب لونڈوں کے سوا نہیں کونین کی ہوس
اللہ سے کروں تو یہی التجا کروں

اب مثنوی کو دیکھ کے دل ہے یہ چاہتا
لونڈے بٹھا کے سامنے اسکو پڑھا کروں

مردھلا کو بھی بلا کے میں کھواؤں لکھنے خط
جنت میں جا کے رندسے اسکا گلا کروں

آتش کو بھی بلا کے کہوں ہاتھ جوڑ کر
کب تک کسی کے ہاتھ سے مٹھی جلا کروں

مرجاؤں گی تو آپ کہیں گے ضرور یہ
کس کو سناؤں گا یہاں کس پر جفا کروں

یہ عرض ہاتھ جوڑ کے کرتی ہوں آپ سے
پھر خوب ٹھوکنا اگر اب کی خطا کروں

اعترافِ حماقت

اگر اس پری سے محبت نہ ہوتی
تو ظاہر ہماری حماقت نہ ہوتی

سمجھتے نہ تھے ہم بگڑ جائیں گے وہ
جو یہ جانتے اتنی محبت نہ ہوتی

گدھی اس کو اور مجھ کو کہتے ہیں گھیا
یہ اینٹ الپزادہ کی درگت نہ ہوتی

لکھے بن کے شیطان خط ہم نے انکو
جو وہ کچھ بھی کہتے تو ذلت نہ ہوتی

وہ دھولیں لگاتے تو عزت تھی اپنی
شکایت نہ ہوتی شکایت نہ ہوتی

غضب ہو گیا ناچنی گانی کہنا
وہ کیوں نظم کرتے جو عادت نہ ہوتی

یوہیں عیب رہ جاتے اس مثنوی میں
اگر شاعروں کی عنایت نہ ہوتی

دکھا سانپ کیا نظم کرنا تھا اس میں
بھلا اس میں ظاہر لیاقت نہ ہوتی

جو اصلاح آتش کی سب مان لیتے
تو اس وقت ہمکو ندامت نہ ہوتی

چٹپٹی غزل

مولانا ظریف۔ واللہ ذرا غور سے اس غزل کو ملاحظہ فرمائیے۔ مابدولت نے ایسی پامال طرح میں حریف کی پامالی کا وہ فوٹو کھینچا ہے کہ سنتے ہی جلکر کوئلہ نہ ہو جائے تو ہمارا ذمہ

جب جہالت نے بہت گردن دبائی آپ کی
ہو گئی پھر آپ کے لایق دوائی آپ کی

رطب و یابس مثنوی کی خوب وقعت کھل گئی
جاہلوں کے کچھ نہ کام آئی بھلائی آپ کی

پڑ گئے سر پر تو بولے ہنس کے یہ کس پر پڑے
دیکھ لی ہم نے یہ دیدے کی صفائی آپ کی

لہر کو لہرا کے آخر کیوں لہر کہنے لگے
اس لئے گردن ظریفوں نے دبائی آپ کی

اب حمل گر جائے یا رہ جائے اس کا غم نہیں
مشکل آتی ہے نظر لیکن رہائی آپ کی

منے حجام اپنی کسوت بھول آیا ہے کہیں
آبرو کیونکر بچائے گا یہ نائی آپ کی

اب کوئی مردہ بھی چلاتا نہیں اخبار سے
مر گھٹے تک کیا نہیں ہوتی رسائی آپ کی

بے نقط ایسی سناتا ہوں کہ کٹ جاتی ہے وہ
جھیپ کے رہ جاتی ہے گھر میں لگائی آپ کی

مثنوی کیا مٹ گئی سردی سے سنانے لگے
چھن گئی جاڑے میں یہ گویا رضائی آپ کی

پنچ سبھا

نمبر ۲

درخواست کتیا پری کی زبانی راجہ نائی کے

خوب رُلایا بھاؤ بتا کے | دور ہو بڑھیا دُم کو دبا کے
زخم دیا اک دل پر کاری | اب ہے کتیا پری کی باری

آمد کتیا پری کی سبھا میں

سبھا میں آمد کتیا پری ہے | داد جاں سے جو ٹیپو پر مری ہے
ستاتے ہیں اسے ناحق کو کتے | یہ دیوانی جوانی میں بھری ہے
عجب لے دار اس کا بھونکنا ہے | گلے میں اس کے گویا گٹکری ہے
نہ دیکھا ہوگا ناچ ایسا کسی نے | غضب کی ناچنی گانی پری ہے
زمانہ اس کی شوخی پر فنا ہے | شرارت کوٹ کر اس میں بھری ہے

شعر حسب حال کتیا پری کی

مرتی ہوں میں تو اپنی فقط آن بان پر | جوبن رینگتی نہیں ہے کبھی میرے کان پر
گاتی نہیں ہوں بھونکتی ہوں اپنے حسب حال | کتیا پری ہے نام مرا ہر زبان پر
اللہ کے کرم سے زمانے میں ہے عروج | ٹکڑا وہیں ملا میں گئی جس دکان پر
کھانے کو چھیچھڑے مجھے ملتے ہیں راتوں دن | رہتا ہے اب دماغ مرا آسمان پر
کھانا کسی کا ہو مری نیت خراب ہے | گرتی ہوں مکھیوں کی طرح جا کے خوان پر
تابع ہوں اس کے میں جو زبردست مل گیا | بڑھے پہ کچھ ہوں بند نہ میں ہوں جوان پر
تدبیریں سوچتی ہوں میں کھانے کے واسطے | روٹی اگر رکھی ہو کسی کے مچان پر

چھند کتیا پری کا سبھا میں

میں چیری شیطان کی تم دیکھیا ناؤ | گانا مجھ معشوق کا سنو چاہتا ناؤ
سنو عزیز سے آج پتا ہمارا گانا | ماں ہماری اندھی اور باپ تمہارا کانا

ہوا ہے میرا تب سے اس محفل میں آنا | جب سے سارا دیس ہمارے کھاتر نچے چھانا

چھند دوسرا زبانی کتیا پری کے

آئی ہوں میں دور سے چھیڑی کر کے یاد | مجھکو بھی رُلوائے کے کروا پا دل شاد
باسی ٹکر ٹلے دو مجھے دل کھول کے گاؤں | گانا ایسا گاؤں تمکو بھی نچواؤں
تم کو بھی نچوا کر دادا پنی پاؤں | دادا پنی پا کر گھر اپنے جاؤں

ٹھمری زبانی کتیا پری کے

ناڈجی کرو موسے بتیاں | دُم پھرکت ہے دن رتیاں
جی کانپت ٹھمری صورت سے | دھڑکت ہیں موری چھتیاں
دُم چاٹت ہو بھور تکن لاگوں | ماروں دونوں لتیاں

ناڈجی کرو موسے بتیاں

ہولی کتیا پری کی سبھا میں

ناڈ کو سمجھا دے کوئی - انگیا رنگ میں بھجوئی
بحث کی ناحک اس نے سب سے - عزت مفت میں کھوئی

ناڈ کو سمجھا دے کوئی

غزل زبانی کتیا پری کے

چالیئے نے میٹ دی عزت ہماری اندنوں | ہو رہا ہے گریہ بے اختیاری ان دنوں
ہائے یہ میرا چمن اور اس طرح برباد ہو | مٹ رہی ہے آہ یہ بادِ بہاری اندنوں
نظم سے ہمکو نہ مطلق تھا علاقہ کیا کہیں | ہو نہیں سکتی ہے اب مطلب برآری اندنوں
اعتراضوں سے ہوا ہے ناک میں دم اسقدر | شکل پہچانی نہیں جاتی ہماری ان دنوں
ہم تو سمجھے تھے کہ چپ ہو جائیں گے آخر کو سب | کشمکشاری ہو رہی ہے پھر کراری اندنوں
منہ دکھانے کے نہیں قابل رہے دنیا میں ہم | منہ چڑھاتی ہے ہمارا ہر کہاری اندنوں
گر ذرا اعزاز کا اظہار ہم کرنے لگیں | جنکس ہو جائے گا پھر ہم سب پہ جاری اندنوں

غزل دوسری زبانی کتیا پری کے

دل نہ گلدستۂ اردو سے ہوا شاد کبھی | ہم نہ مانے گئے اس کتبہ میں استاد کبھی

زندہ جب تک رہو اک جان پہ لاکھوں صدمے
بعد مرنے کے ہوئی کم نہ یہ بیداد کبھی

منّے حجام کا احسان نہیں ہے ہم پر
کام آتا نہ ہمارے کوئی فصاد کبھی

اب تو اردو میں بھی منہ کھول نہیں سکتے ہیں
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

اب تو خط بھی نہیں آتا ہے میاں آتش کا
بھول کر بھی نہیں کرتے ہیں صبا یاد کبھی

نام رکھنے لگے سب اہلِ زباں ہنس ہنس کر
آہ تقدیر سے کی ہم نے جو ایجاد کبھی

میری تقدیر کا فوٹو تو وہی کھینچیں گے
مل گئے راہ میں بھولے سے جو بہزاد کبھی

کس قدر ان کی مرمت ہوئی اللہ اللہ
ساتھ دیتے نہیں اب پنچ میں بھی غاد کبھی

غزل حسب حال

انی ہیں یا اعتراض برچھی کہ سب کے دل میں کھٹک رہے ہیں
خزانِ خرگاہ رو رہے ہیں سگانِ احمق بھڑک رہے ہیں

بگڑ کے حجام منہ پھلائے ہے ہونٹ اس کے لٹک رہے ہیں
خفا ہیں مستا یہ ضد نئی ہے۔ تھرک رہے ہیں سٹک رہے ہیں

خزاں یہ آئی ہے مثنوی پر بہار ہے اب نہ ہے وہ گلشن
بجائے بلبل غریب اُلّو اُچک رہے ہیں پھدک رہے ہیں

نہ عقل ان کو کہ بات سمجھیں نہ ذہن ایسا کہ تہ کو پہونچیں
اُٹھے نہ جب اعتراض ان سے تو منہ ہر اک کا یہ تک رہے ہیں

کبھی یہ کہتے ہیں مذہبی جنگ ہو رہی ہے چچا سے ہم سے
کبھی تعصب میں اپنے آکر جو منہ میں آتا ہے بک رہے ہیں

جو بات معقول تھی سناؤ تو اس میں حیلے حوالے لاکھوں
جہالتوں سے بھرے ہوئے ہیں حماقتوں سے بہک رہے ہیں

مثال دیں گے تو اُلٹی دیں گے سمجھ سے خالی ہے ذہن عالی
نہ فہم سے مس نہ عقل سے حس جہالتوں سے سنک رہے ہیں

غضب یہ ہے طاہرہ کو دیکھو کہ بے تکا راگ گا رہی ہے
تو منّے نائی مٹک رہا ہے تمام لونڈے تھرک رہے ہیں

زبان قابو میں اب نہیں ہے تو یہ اشاروں میں رو رہی ہے
سمجھ میں آتا نہیں کسی کے تو لوگ حسرت سے تک رہے ہیں

یہ منقلب غاد کیوں پڑے ہیں سبب نہیں اس کا ہمکو کھلتا
کسی نے پینے کو دی نہ افیوں تو مر رہے ہیں سسک رہے ہیں

نہ کام شیطان تیرے آیا نہ سٹیاں شہدے نے منہ لگایا
کئے تھے جو اعتراض ہم نے وہ برق بنکر چمک رہے ہیں

اُٹھا نہیں اعتراض کوئی تو غصہ بھی آ رہا ہے اُن کو
یہ ظرف چھوٹے جو بھر گئے ہیں تو سب طرف سے چھلک رہے ہیں

یہ ضد لگی ہے یہ ہٹ پڑی ہے غلط بھی دیکھو تو کچھ نہ بولو
غریب بچے یہ ناسمجھ ہیں شریر ناداں بلک رہے ہیں

کمال تحقیق میں ہمارے کبھی نہ آئے گا فرق اس سے
عروج دیکھا ہے احمقوں نے تو بن کے کولا دھک رہے ہیں

فقرے غاد پری کی درخواست میں زبانی منے حجام

دکھا چکی تو کرتب کُتیا — کونے میں اب بیٹھ تو میّا
کیا سبھا میں تو نے نام — اب ہے غاد پری کا کام

لاڈ غاد پری کو

سبھا میں غاد پری کی سواری آتی ہے — تمام پنچ کی اسوقت خواری آتی ہے
جو گول ٹوپی ہے سر پر تو ہاتھ میں رومال — پھلا کے توند یہ شامت کی ماری آتی ہے
غضب بڑھاپے میں پھٹکار سی برستی ہے — گماں یہ ہوتا ہے گویا چماری آتی ہے
خضاب منہ سے چھٹا ہے خدا خدا کر کے — گراں یہ توند ہے گویا کہاری آتی ہے
کبھی جو ہنسکے کسی کی طرف لپکتی ہے — سمجھتے سب ہیں کہ کتیا شکاری آتی ہے
رقیب سے جو اسے خواب میں تلمذ ہے — اسیکے واسطے لڑنے گنواری آتی ہے

شعر خوانی غادپری کی

شیطان کا کام حسن پیمرے تمام ہے — گو سیتلا کے داغ ہیں پر غاد نام ہے
محفل میں سب کے سامنے رہتی ہوں منقلب — دن رات مجکو بس انھیں باتوں سے کام ہے
سر پر لگائے دھوپ جو اسی کی کنیز ہوں — خاموش جو رہے وہ مرا خود غلام ہے
اُلٹی خدا نے دی ہے مجھے عقل سقد — ہوتی اگر سحر تو میں کہتی ہوں شام ہے
پوشاک تو سفید ہے۔ چہرہ سیاہ ہے — گویا اودھ کی صبح میں یہ کالی شام ہے
یہ جھوٹ پر دیا ہے خدا نے مجھے فروغ — پایا اسی کی وجہ سے مال حرام ہے
اُلٹی ہے مت کہ ہو گئی احمق کی میں شریک — بڑھیا ہوں گو کہ میں پہ مری عقل خام ہے

چھند زبانی غادپری کے

پڑی ہوئی تھی اوندھی میں اوپر تھے دلال — یہاں بلا کر آپنے مچا دیا بھونچال
مچا دیا بھونچال کہ یہاں مجھے بلوایا — بھوکی گھر سے آئی تھی کچھ نہ کھلوایا
روپ سروپ مہاراج کا میرے دل کو بھایا — لیکن تو احمق تھا جو اس پہ اترایا

ٹھمری زبانی غادپری کے

مجھ پر جوتے خوب پڑے — اوجام مجھ پر جوتے
جس کو دیکھو اُلٹی ستا ہے — لڑن والے پر گاج پڑے

اوجام

چندیا موری ہو گئی ٹھیلی — بہت پڑے بھئی بہت پڑے

اوجام

جیسی مرمت موری بھئی ہے — کوئی گدھی کا کھبر کرے

اوجام

ساون زبانی غادپری کے

بن پیا گھٹا نہیں بھاوے — قسمت پر اب رونا آوے

سر پھر نہ اٹھائیں ہم سب بہنیں
کوؤ ایسا جوتا برساوے
ہاتھ جوڑت ہوں منتی کرت ہوں
اب نہ مہکا بات سناوے
میں تو دکھیا جنم کی ماندی
کوؤ بید دیکھن نہ آوے

غزل زبانی غادپری کے

پھنسے ناحق کو ہم اے پنچ تیرے دورِ ساغر میں
لکھی تھی اس قدر ذلت ہمارے بھی مقدر میں
کسی استاد کی بھی غلطیوں کے ہم نہیں قائل
کہ ہٹ دھرمی کا سودا بھر گیا ہے آجکل سر میں
شگوں کہنا نرالا اور دکھا سانپ اپنا مشرب ہے
کہ ایسا بولتی ہیں عورتیں بھی آجکل گھر میں
حمل کہتی ہوں جب میں ان کو غصہ آہی جاتا ہے
حمل میرا گرا دیتے ہیں آخر ایک ٹھوکر میں
طبیعت چلبلی ہے اور لونڈوں سے محبت ہے
خدا کے سامنے بھی میں یہی کہدونگی محشر میں
کوئی حجام مل جائے تو اپنا سر منڈا ڈالوں
یہی سودا بہت دن سے سمایا ہے مرے سر میں

ہولی زبانی غادپری کی

لاج رکھ لے گدھیا ہماری - میں چیری تمہاری
پھروں ہوں ماری ماری
پہلے میں کلکتے گئی تھی - ساری دولت ماری
مال پرایا گھر میں رکھ لو - ایسی کرو ہشیاری
کہیں نہ ہوے عاری
جس کا پاؤ مال گھما دو - کیا کوؤ تم کا ماری
آنکھ بچے گٹھری ٹہلے - پھر بنو اناری
کوڑی کوڑی منہ سے اٹھاؤں ایسی ہوں کھلاری
اب جو بولے منہ سے کوئی - جب ہی دینا گاری
میں تو ہوں گھسیاری

غزل زبانی غادپری کے

مرحوم شاعروں سے بھی فریاد کیجئے
آتش کو ذوق و رند کو بھی یاد کیجئے
مارا ہے کیا ظریف نے یارو! دہائی ہے
اب کس سے جا کے شکوۂ بیداد کیجئے

توبہ ہے اب سے منہ نہ چڑھوں گی ظریف کے
میں ہوں کنیز آپ کی آزاد کیجئے

بوڑھی ہوں نوندلے کے میں جاؤں کہاں کہاں
اک ہاتھ مار کر اسے برباد کیجئے

جی چاہتا ہے بولیاں پنڈت کی سیکھ لوں
مل جائے اک گنوار تو استاد کیجئے

گانی تھی اور ناچنی تھی وہ بڑی کمال
اس شاعری پہ آنکھ سے بس صاد کیجئے

الفاظ جو غلط ہوں انھیں لائیے ضرور
اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ ایجاد کیجئے

جب اعتراض ہوں تو بگڑ جائیے وہیں
اور منہ پھلا کے لوگوں سے فریاد کیجئے

اُٹھیں نہ اعتراض دئے جائیں گالیاں
آخر کو ضد سے آپ ہی ایراد کیجئے

غزل زبانی غاوپری کے

کسی کے اعتراضوں نے عجب اندھیر ڈھایا ہے
زمیں کو زلزلہ ہے آسماں چکر میں آیا ہے

اُٹھائے ہیں وہ صدمے مٹ نہیں سکتی کبھی دل سے
کسی کے ایک فقرے نے کیا سب کا صفایا ہے

گھٹا غلطی کی ہے مینہ اعتراضوں کا برستا ہے
کسیکی شنوی کے باغ پر کیا ابر چھایا ہے

خضاب ایسا فرین عارض ناقص پہ ہوتا ہے
گماں ہوتا ہے بطخا منہ پہ گوبر مل کے آیا ہے

مٹانے سے مٹیں کیا اعتراضات بجا ہم سے
دلائل ہیں قوی اس میں اڑنگا بھی لگایا ہے

حساب شاعری جب حشر میں ہوگا تو کہہ دونگی
کہ میں نے شنوی کے عیب کو بالکل چھپایا ہے

چھپاؤں منہ ندامت سے سر محفل نہ کیوں اپنا
کہ میں نے چالیوں کے نام پہ دھبا لگایا ہے

ہوئی تھی تیز ایسے ویسوں کو میں گالیاں دیکر
انا زی کا ٹکا آخر زبان سے میں نے پایا ہے

وہ کہتا شنوی کیا۔ تم ذرا دیوان تو دیکھو
خوشا مد سے درامد سے کسی سے مانگ لایا ہے

فقرے منہ بند پری کی درخواست میں

کاٹی رات مزے میں سب
بیٹھ رہی کٹنی نیچے اب
بہت کی تو نے میری خوشامد
منہ بند پری کی اب ہے آمد
لاؤ منہ بند پری کو

آتی عجب انداز سے منہ بند پری ہے | عیں عیں ہے زباں تک نہیں قابو میں ذری ہے
موٹی ہے زبان بات نہیں منہ سے نکلتی | گونگی کے اشاروں میں فقط جلوہ گری ہے
منہ شرم سے ہر ایک کا تکتی ہے ہمیشہ !! | کچھ بول نہیں سکتی یہ بے بال و پری ہے
امید خزاں اب اسے دیدیتی ہے جھونکے | کیا گلشن عالم میں چراغ سحری ہے

زیور نہیں درکار مخنث کی ہے صورت
یہ بھینس ہے چہلے کی جو کیچڑ میں بھری ہے

شعر خوانی منہ بند پری کی

معمور ہوں ذلت سے حماقت سے بھری ہوں
کچھ کہہ نہیں سکتی ہوں میں منہ بند پری ہوں
فاقے سے ہوں بھوکی ہوں غضب ہے مرا غصہ
ٹھنڈے ہوں ابھی لوگ جو میں گرم ذری ہوں
وہ شمع ہوں گل کرنے کو محفل جسے آ بیٹھے
اس باغ جہاں میں میں نسیم سحری ہوں
زندہ نہ رکھے گا مجھے سن لے گا جو نائی
میں کفر کے شہزادے پہ سو جاں سے مری ہوں

چربولہ منہ بند پری کا

راجہ اندر ناڈو سو گئے دیا نہ کچھ انعام | جاتی ہوں مر گھٹ میں یہاں مرا کیا کام
سن لے مستادیو رے تو میری اک بات | آتی تھی گھر ناڈو کے میں آج کی رات
شہزادہ اک رد یہ سوتا تھا نادان | اس بھتنے کو دیکھ کر نکلی میری جان
اتری اپنے تخت سے رنج بہت اٹھائے | سوتا تھا وہ مردہ سا ناتھ پاؤں پھیلائے
کالی صورت دیکھ کر دل کا گیا قرار | بھونڈے نقشے پر کیا خوب سا پیار
دل میرا لگتا نہیں محفل میں اس آن | اب کوئی دم کی میں ہوں مہمان
اس کو گر تو لائے گا کھینچ کر مکان | لونڈی تیرے پاؤں کی بنوں گی جا تکرار

جواب مستادیو کا

گھر میں تیرے ناڈو کے تو سب کی سردار | تجھ سے کر سکتا نہیں ہرگز میں انکار

پھوٹ تو منہ سے اپنے کچھ تو مجھے بتا | بتادے ملعون کا لاؤں ابھی اُٹھا

جواب منہ بند پری کا

جا تو بچوں بیچ میں کیچڑ کے درمیان | سوتا ہے اک بدشکل مہری پر نادان
جوتا میں دے آئی ہوں اپنا اُسے نشان | کالے چمڑے کے نشان سے تو اُسے پہچان

سوال ستاوبو کا

لایا شہزادہ کو میں جا کر ہندوستان | معشوق اپنا او محبہ جلدی سے پہچان

جواب منہ بند پری کا

یہی ہے میرا لخت دل یہی ہے میری جان | مائی باپ ہے یہی میرا میں اس پر قربان

جگانا منہ بند پری کا شہزادے کو

سوتے ہو کیا بیخبر چھوڑ کے تم کفار | آنکھیں کھولو اپنی پتا نیند سے ہو ہشیار

جاگنا شہزادے کا اور گھبرا کر کہنا

کھونٹا میرا کیا ہوا چھوٹا کدھر مکاں | سوتا تھا میں کیچڑ میں لایا مجھے کہاں
نادہ کالی مہری ہے نادہ میرا گھر | خواب یہ میں دیکھوں ہوں یا ہو گیا ہوں خر

جگانا شہزادے کا عالم حیرت میں

کھینچکر کون مجھے آہ یہ لایا مجکو | کس ستم کیش نے سوتے سے جگایا مجکو
لاکے ناحق کو عبث آہ ستایا مجکو | یہ تکلف تو کسی طور نہ بھایا مجکو
بس میں محبہ کے مجھے چھوڑ دیا ہائے غضب | ڈھونڈھنے کوئی بھی دفتر میں نہ آیا مجکو
حیف صد حیف کسی نے نہ خبر لی میری | میرے پر جانے عبث دل سے بھلایا مجکو

جگانا شہزادے کا

مجھے آہ تقدیر لائی کہاں | کہ منہ بند بھتنی ہے گونگی جہاں
مجھے آہ تقدیر
گدھیا یہ باندھی گئی میرے سر | اسے چھوڑ کر اب میں جاؤں کہاں
مجھے آہ تقدیر
ترس آتا ہے مجکو حالت پہ اس کی | کہ مضروح ہے اور ہے ناتواں
مجھے آہ تقدیر

زباں تک نہیں قابو میں اسکی ہے | پڑی کس مصیبت میں اب میری جاں
مجھے آہ تقدیر

کہنا منہ بند پری کا اشاروں سے

دیکھو تم میری طرف گھر کا دو مت نام | گھر میں میرے لاکھوں ہیں دھوبی اور حجام
جو ہونا تھا سو ہوا اب کیا پچھتانا | اب تو میرے جال میں آ گئے ہو نانا
نام اپنا بتا کر کرو دل کو شاد | میں خوشی میں آن کر بانٹونگی پرشاد

جواب شہزادہ کفر کا

اونچوں میں رہتا ہوں عیش ہے میرا کام | شہزادہ ہوں میں ہند کا کفر ہے میرا نام

سوال شہزادہ کا منہ بند پری سے

تو بھتنی کس قوم کی اپنا نام بتا | پھوڑا سا سینہ پر تیرے نکلا ہے یہ کیا

جواب منہ بند پری کا

قوم کی میں بھتنی ہوں منہ ہے میرا بند | اوندھی سیدھی لیٹ کر کروں تجھے خرسند
رہتی ہوں میں کاکوری گدھی ہے میرا نام | نفرت سے اس قوم کی ہوئی ہوں میں بدنام

سوال شہزادہ کا

جلدی بتلا اب مجھے اسدم اے مردار | لا کر تیرے پاس مجھے کیا کس نے خوار

جواب پری کا

تجھ پر میں عاشق ہوئی چلتے چلتے رستا | اٹھا منگایا یاں تجھے بھیج کے مرزا مستا

شعر خوانی بہ اشارۂ منہ بند پری

آ مرے پاس کہ پتھر پہ جماؤں تجھکو | چھاپہ خانہ کی ذرا کل سے دباؤں تجھکو
دلکو بھاتی ہیں جو بھونڈی سی ادائیں تیری | میں اشارے سے ذرا لے لوں بلائیں تیری
لیٹ پہلو میں تو گھر بھر کو میں برباد کروں | آگ دکھلا کے پریسوں کو میں دل شاد کروں

جواب شہزادے کا

قوم میں اپنی کوئی دے گا نہ کھانا مجھکو | مار ڈالے گا ابھی جان سے نانا مجھکو
مجھکو احمق نہ سمجھ خوب سیانا ہوں میں | تو اگر گونگی ہے کم بخت تو کانا ہوں میں
جیسا تجھ سی زمانے میں نہ ہوگی کم قوم | آپ بدنام ہوئی ہم سے چھڑا اے ہم قوم

بھیج مستا کو مجھے کھینچ بلایا تو نے
کفر کو خوب ہی پھندے میں پھنسایا تو نے

جواب منہ بندپری کا اشاروں سے

موت کا لطف ہے ایسی ہی ملنساری میں
پھیکی پکتی ہے نمک جب نہ ہو ترکاری میں
دل میں تو خوش ہے کہ کیا لڑکی قسمت میری
مجھ سی منہ بندپری کو ہے محبت تیری
شرم تجکو نہیں اے کاٹھ کے اُلو آتی
ہے مجھے مدرکی بدن سے ترے خوشبو آتی
دیکھ پچھتائے گا برباد اگر تل ہو گا
پھر نہ موقع تجھے کمبخت یہ حاصل ہو گا

جواب شہزادے کا

وصل کرنے پہ میں راضی ہوں مگر اس شرط سے ہے
اب کسی غیر کا ہرگز نہ پکڑنا تو ہاتھ
دوسرے یہ کہ مسی نا لگی ہے میں نے سمجھا
ساتھ لے چلکے ابھی مجھکو ذرا دکھلا لا

جواب اشاروں میں منہ بندپری کا

بیہودہ بات زباں پر نہیں لاتا کوئی
گھر میں حجام کے اشراف ہی جاتا کوئی
دنیا حجام کی کموت پہ عجب جان ہے تو
وہ تعصب میں بھرا ہے ارے نادان ہے تو
ایسی جا سیر کو اشراف نہیں جاتے ہیں۔
قوم پاجی کی ہے بے عقل یہ اترائے ہیں
آفت آجائے گی تجھ پر ارے دیوانہ ہے
ایک کمبخت ہے شیطان کا وہ نانا ہے
نام تیرا جو کوئی اُس کو بتا دیوے گا
ٹھونک دیگا وہ مجھے تجکو مٹا دیویگا

جواب شہزادے کا

جھوٹ ہے جھوٹ ہے واللہ یہ سب بات تری
میں سمجھتا ہوں کہ خیلا ہے یہ سب گھات تری
مرزا مستا کے یہاں رات کو تو جاتی ہے
ساتھ لیتے ہوئے اس سے مجھے شرماتی ہے

جواب پری کا

بات ایسی تو زباں سے نہ نکالو صاحب
چونچ کو بند کرو منہ کو سنبھالو صاحب
مجکو مستا سے بڑا کام جو کرنا ہوتا
آدمی زاد پہ کس واسطے مرنا ہوتا
میں پری ہو کے بنڈیلے پہ فدا جاؤں کیوں
ایڑی چوٹی پہ موئے بھوت کو قربان کروں

جواب شہزادے کا

روز لونڈوں کو تو کوٹھے پہ بلاتی ہے تو
پھر مرے سامنے باتیں یہ بناتی ہے تو
صبح ہوتی ہے میر جان نہ پھسلا مجکو
بھیروں جلد ذرا چلکے سنا لا مجکو

جواب پری کا

جان دی مفت میں اور دشمن جانی تو نے
بات ہرگز مری کمبخت نہ مانی تو نے
تو بھی کم ظرف ہے کب تک تجھے سمجھاؤں میں
جھوٹ پڑا چل تجھے نائی کا دکھا لاؤں میں

جواب شہزادے کا

ساتھ چلنے میں تو ہر طرح کی تیاری ہے
پر نہیں رکھتا ہوں اس وجہ سے لاچاری ہے
پر کٹی کوئی تو تدبیر بتا دے مجکو
یا کسی آنکے پر نوچ کے لا دے مجکو

جواب پری کا

ہکی باتیں نہ کر ہوش میں آؤ بابا
دونوں ہاتھوں سے مرے تخت کا پکڑ پایا
یہ نہ ہوئے تو مری ٹانگ پکڑ لو جانی
تم تو اسے ہو تو میں بھی ہوں تمہاری نانی
مجھ سے واں جا کے کوئی بات نہ کرنا بیٹا
پیچھے پیچھے مرے تم پانچ میں رہنا بیٹا
گا کے اور ناچ کے بس سب کو بنا دونگی میں
تجھ کو مہری کے درجے میں بٹھا دونگی میں

جانا دوبارہ منہ بند پری کا سبھا میں اور اشاروں سے باتیں کرنا

نائی نے بلوا کر کیا مجھے آرام
آئی ہوں پھر یہاں کروانے اپنا کام
کروانے اپنا کام یہاں پھر آئی
ٹھمری چھند غزل کی مجھ میں ہے سمائی

شہزادی کی غیں غیں

کرے جو شہزادی منہ سے غیں غیں تو نوحہ بن جائے راگ ہو کر
اٹک کے رہ جائے منہ کے اندر زبان بوتل کا کاگ ہو کر
کجا ہماری شرر فشانی کہاں گدھیوں کی سیپوں سیپوں
خدا کی قدرت کہ لینڈی بھی اب چکت لگاتے ہیں ڈاگ ہو کر
سیاہ پوشوں سے تم نہ بچنو بتائے دیتے ہیں سمنے نائی
کہیں نہ گھس جائیں بل کے اندر ہنسی ہنسی میں یہ ناگ ہو کر

ہماری شیوا بیانیوں سے ملا دمسٹر نہ اپنا پھکڑ
پلاؤ لے ساکھ مجکو کھاؤ کہے یہ تجھوے کا ساگ ہوکر

پڑے ہیں کچے ناتھ ایسے بیڈھب کہ من ہی جامہ سے ہے باہر
ٹپک پڑے کیوں نہ تھوک منہ کا کمال غصے سے جھاگ ہوکر

یہ غیرتیں اٹھ گئی ہیں اب تو کہ پنچ ہوکر کے دم دبائی
جو بھاگتے ہیں تو کہہ رہے ہیں کہ ہمتو آئے ہیں بھاگ ہوکر

کہے یہ دیتے ہیں تمسے ہمتو ظریف خاں سے عبث نہ بحثو
وگرنہ کھا جائے گا یہ ظالم تمام کیتوں کو ناگ ہوکر

خجل یہ ہے غاد منقلب بھی کہ منہ دکھاتا نہیں سو اب تو
کجا توقع کہ دم دبا کر یہ بھاگ جائے گا گھاگ ہوکر

چھٹتے ہیں کولہ کی طرح سے تمام احمق تمام بدہیں
جلائیں سب اعتراض ان کو نہ کیوں جہنم کی آگ ہوکر

عیدی

فضلِ خالق سے عید آئی ہے | یہ خوشی اپنے ساتھ لائی ہے
منّے حجام کو ٹکا دے دو | یہ غریب اک قدیم نائی ہے

شیخ چلّی کا لیکچر

یہ بات صوبہ بنگالہ اور صوبہ متحدہ صوبہ پنجاب صوبہ مدراس کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ کہ آج ہم اُس بیداری کے خواب کو دیکھنے کی غرض سے کوٹھے پر چڑھے ہیں جس کے آثار ہمکو ابد سے نظر آرہے تھے۔ درحقیقت سودیشی تحریک کا نمود ہندوستان میں کچھ آج سے نہیں ہے ہمیشہ سے ہے۔ زمانہ گذشتہ کے اہل الرائے ہندوستان کی مفلسی اور مغرب کی روز افزوں ترقی پر غل غپاڑہ مچایا کئے۔ اور دوہائی دیا کئے۔ لیکن کوئی خبر نہ ہوا۔ یہاں کے اگلے بڈھے بخلاف ہمارے تجارت اور صنعت و حرفت میں زیادہ منہمک تھے۔ ایک ایک بڈھا اچھی طرح علم انساب کے رو سے بغیر غور و فکر کے بتا سکتا تھا۔ کہ یہ دُنبہ ہے یا بھیڑ۔ بندر ہے یا بکری گھوڑا ہے یا گدھا۔ چیل ہے یا کوا۔ بیل ہے یا گائے اونٹ ہے یا بلی تجارت اور تجربہ کا تو یہ حال تھا۔ اب لیجئے صنعت و حرفت عراق سے عرب تک مشرق سے مغرب تک ہندوستان کی صنعت کی دھوم تھی۔ کملیاں چھینیاں ڈفلیاں خنجریاں ڈھول تاشے گاڑھے دھوتر۔ افسوس ہے کہ ہندوستان یہ تمام آسائش کے ساز و سامان مٹا کر خاک میں ملگیا۔ اور غیر ملکوں نے اس کے کھنڈروں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خفیہ سودیشی تحریک چپکے چپکے اپنا کام کر رہی تھی اور ہنڈیا میں گڑ پھوڑ رہی تھی لیکن تقسیم بنگالہ کے چابک نے اچھی طرح پیٹھ سہلا دی اور گرد جھاڑ دی اب کیا تھا

لگے دولتیاں اُچھالنے

یہاں تک کہ پٹھے پر ہاتھ رکھنا ناگوار خاطر تھا۔ کبھی ہر کھائی کتیا کی طرح ادھر سے اُدھر دوڑتے تھے۔ کبھی دبی بلی کی طرح بھبکتے تھے۔ آخر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بندے ماترم کے سودائی گونجنے لگے۔ لہذا سودیشی تحریک کا قیام ہمارے لئے ابدی ہے۔ اور اگر تقسیم بنگالہ مسترد کر دے۔ تو پھر یہ سارے چل پوں غائب غلہ ہو جائیں۔ اور کل شکوے شکایت دفع ہو جائیں۔ اسی پردے میں مسلمانوں کا بھوکے مرنا مقصود ہے۔ بھائیو اگرچہ میں خود ایک مسلمان ہوں لیکن جس طرح میرے ہمقوم بعض دانا لیڈر اپنا گلا آپ گھونٹ رہے ہیں۔ اور اپنی قوم کی گردن پر آپ چھری پھیر کر اپنی ہنڈیا گرم کر رہے ہیں۔ اسکو عام بیوقوف مسلمان نہیں سمجھ

سکتے۔ یہ ایک تہ بتہ مسئلہ ہے جس کے سمجھنے کی کسی مہذب مسلمان کو لیاقت نہیں۔ اور اس راز کے کھلجانے سے مدبران ملک کے واسطے خرابی کے آثار ہیں۔ ہم کو اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے ہم خیال جیلخانہ کی سیر کر رہے ہیں۔ اور بعض بعض جانے کو تیار ہو رہے ہیں۔ مگر سوراجی خفقان اور سودیشی سوداوی مادہ ایسا نہیں ہے۔ جو دو چار مسہل میں تحلیل ہو جائے۔ اس کے واسطے ایک زبردست عمل کی ضرورت ہے۔ جو تمام مادہ سوداویہ کو خارج کر دے۔ گورنمنٹ حکیم ہے۔ اور ہم علیل۔ رائے علیل بھی علیل ہوتی ہے۔ حکیم جو کچھ حکمت عملی سے کام کرے گا مفید ہوگا۔ کیونکہ یہ ملکی جوش گذر جانے والا دھارا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تحریک ایک سالم صورت میں نمودار ہوئی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ بہت جلد قومی دیوتا بنکر ترقی کرتی جائے۔ اور امید کی جاتی ہے۔ کہ بہت جلد ملکی گوشمالی کی کنجی ثابت ہو۔ کیونکہ ہندوستان کی مفلسی ایک مسلمہ امر ہے اور ہندوستان کا خاص پیشہ زراعت ہے۔ زراعت کی حالت ایسی خراب ہے کہ فلک کے اجرام میں قوت جاذبہ ضعیف ہو گئی۔ لہذا امساک کھانے کی ضرورت ہوئی جس کا لازمی نتیجہ امساک باراں ہے۔ پھر پانی کیونکر برسے اور قحط سالی کیوں نہ ہو ضدین کا مجتمع ہونا عقل سے باہر ہے۔

گو کہ ہم لوگوں نے دائمی بندوبست کی درخواست کی مگر نامنظور و نامطبوع ہوئی سرکاری محصول روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامات پر قابل زراعت زمین میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور زراعتی زمین بانجھ ہوتی جاتی ہے۔ پیداوار غلہ ضرورت سے بہت کم ہے۔ ہندوستان میں قحط بہت جلد جلد تشریف کا ٹوکرا لانے لگا جس سے رعایا کی مصیبت آسمان پر چڑھ گئی ہے۔

اب وہ وقت ہے کہ ہم لوگ کوئی مفید کام شروع کریں۔ اور وہ ہندوستانی صنعت ہو۔ کملی بنیں۔ کرگھے بنیں۔ جاپان جائیں جولاہے بنکر آئیں۔ امریکہ جائیں قلعی گر بنجائیں بڑھئی بنیں۔ لہار بنیں غرض دھوبی کے کتے گھر کے ہوئے نہ گھاٹ کے۔

پڑھنے لکھنے کے بعد ترقی معکوس کا خیال ہوا۔

پڑھیں فارسی بیچیں تیل
یہ دیکھو قدرت کے کھیل

لیکن اگر ہم اپنے ملک کی ترقی کی کشتی ادبار کے سمندر سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمکو چاہیئے کہ

تجارت کے سمندر میں غوطے کھایا کریں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کا سرکاری اور غیر سرکاری نوکری کی طرف بہت کچھ خیال ہے۔ استغفر اللہ یہ ایک ذلیل بات ہے۔ ہم کو محض لالہ لوگوں کے حوالے کردو اور بنگالی بابوؤں کو دیدو۔ یہ پسوفی اور کتوفی انھیں سے خوب ہوگی۔ مسلمان لوگ بڑے بیوقوف ہیں۔ جو ذرا سی نوکری کے لئے لڑے مرتے ہیں۔ جدید اصولوں پر کام کرو اور پرانی صنعتوں کو زندہ رکھو۔ یہی ترقی کا بھید ہے۔ ابھی ہم کو بہت کچھ کام کرنا ہیں۔ اور ہمارے راستے کانٹوں سے خالی نہیں۔ ہمکو بہادری سے مصیبتوں کا سامنا کرنا چاہیئے۔ اور ہوشیاری سے منزل مقصود تک پہونچنا چاہیئے ہمکو حب الوطنی کا اصول مدنظر رکھکر اپنی ہنڈیا گرم کرنی چاہیئے۔ یہ چال چل گئی تو چپڑی اور دو دو ہیں۔

یہ سچ ہے کہ تقسیم بنگالہ کے فتنہ نے سودیشی کے میلان کو بائیکاٹ کے اسلحہ سے مزیّن کردیا۔ کیونکہ سودیشی کے دوسرے معنی غیر ملک کی چیز سے نفرت کرنے کے ہیں اس سبب سے بائیکاٹ لازم و ملزوم ہے۔

اور قاعدے کی بات ہے کہ کام میں جب تک شور و غل نہ کیا جائے جوش پیدا نہیں ہوتا۔ مار مار کرنا چاہیئے اگرچہ نامردی خدا نے دی ہو۔

لیکن اگر واقعات کا دلجمعی سے مطالعہ کیا جائے۔ کہ جس روز ہم تمام یورپ سے عمدہ اور نفیس مال بنالیں گے۔ اسی روز ملکی تجارت کی بادشاہی کا تاج ہمارے سر پر رکھدیا جائے گا۔ اسوقت ہمکو بائیکاٹ کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ تو غبارہ چند روزہ ہے۔ دراصل سودیشی تحریک کی آغاز پر گورنمنٹ کو کچھ غلط فہمی ہوئی۔ جس کی بدولت دو چار غریب شکار ہوگئے۔ اور آیندہ بھی نہ معلوم کتنے ہوں کیونکہ اس کا راستہ جیلخانہ کے قریب ہے۔ لہذا بعض بدیران قوم ادھر سے ادھر کھسک جاتے ہیں۔ اور یہ قومی غلط فہمی ہے۔

آج ہم لوگ اس خوشی میں اوچھل کود رہے ہیں کہ صوبہ متحدہ کے لفٹنٹ گورنر سر جان پرسکاٹ ہیوٹ صاحب نے سر اینٹنی میکڈانل کی تقلید میں پہلا قدم اٹھایا۔ جس سے زمانہ کی روش بدل گئی اور ہماری جان میں جان آئی۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ایک صنعتی کانفرنس نینی تال میں کی گئی جس سے کامل ہمدردی کا ثبوت ملتا ہے۔ خیر خدا خدا کرکے کچھ پکڑ دھکڑ کا خوف تو کم ہوگیا۔ اور ملک کی سرسبزی کی بھولی بھولی صورت خواب میں دکھائی

دی۔ مگر اس خوف کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔ کہ پلیگ ہر سال صفائی کا داروغہ بنکر آتا ہے۔ اور ہندوستان کی لاکھوں بکریاں گرگ اجل کے حوالے کر دیتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ہم خود بھوکے ہوتے ہیں۔ قاعدے کی بات ہے کہ نزلہ ہر عضو ضعیف میریزد۔ کمزور سمجھکر ہمیں کو دباتا ہے۔ وہ لوگ اس بیماری سے محفوظ ہیں جو مرغن کھانے کھاتے ہیں۔ اور ہماری کمزوری ظاہر ہے کہ انسانی خوراک کا کوئی حصہ ہمکو میسر نہیں آتا۔ چوپایوں کو خوراک ملتی ہے۔ درحقیقت بغیر سرکاری امداد کے ہمارا چوپردہا بچ نہیں چل سکتا۔ ہماری نکیل گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ جب ذرا ہم سر اٹھاتے ہیں۔ وہ ایک جھٹکا دیتی ہے کہ ہم ناک مل کے رہجاتے ہیں۔ ورنہ ڈنمارک میں آجکل جو نمایاں ترقی قابل رشک ہو رہی ہے وہ گورنمنٹ کی اندرونی اور بیرونی مدد سے ہے۔ راتوں کو گورنمنٹی ہمزاد اُن کی کاشتکاری کرتے ہیں۔ اور انکی خشک زمین میں نلوں کے ذریعہ سے آب رسانی کرتے ہیں۔ کھیتوں کو سرسبز کرتے ہیں۔ اناج کاٹ کر غلہ کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ اگر ایسی رعایت اور مہربانی ہم ہندوستانیوں کے ساتھ کیجائے۔ تو آج ہندوستان انگلستان سے وقعت اور منزلت میں کچھ کم نہ ہو۔ کیونکہ ماشاءاللہ ہندوستانی ان سوکھی ہڈیوں پر بھی محنت میں کچھ کسی سے کم نہیں ہیں۔ زراعت میں یہ حالت ہے۔ اور صنعت میں یہ حال ہے کہ اپنی بڑی اور بھدی چیز غیر ممالک کی نفیس اشیاء سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان کا ٹاٹ یورپ کی زربفت سے عمدہ ہے۔ یہاں کی چڑیل وہاں کی پری سے بہتر ہے۔ ہم کو حب الوطنی کا حق ادا کرنا چاہیئے اور ہم لوگوں کو غیر ملکی اشیا کی صفائی اور خوشنمائی کو بالکل فراموش کر دینا چاہیئے۔ اس کی سفید دانہ دار شکر قند سیاہ سے بدتر ہے۔ اور یہ نفرت جب تک دل میں قایم نہ ہوگی۔ اور غیر ملکی چیزوں کی طرف سے آنکھ نہ بند کر لی جائے گی۔ اس وقت تک دل کی آنکھیں روشن نہ ہونگی۔ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید ؎

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے آنے کے ڈھنگ ہیں کچھ اور

ہم کو اپنی نورانی گدڑی سنبھالنا چاہیئے ؎

کہن خرقہ خویش پیراستن
بہ از جامۂ عاریت خواستن

ہم کو لازم ہے کہ اپنی ڈفلی اسٹیج کر بجائیں اور کچھ نہ ہو تو فل فش چل پوں مچا کر ملک میں ہل چل ڈالدیں۔ جس سے گورنمنٹ کی نظروں میں ہماری وقعت ہو۔ اور ہم کو بھی مرد سمجھے بغیر اس کی عزت حاصل کرنا مشکل ہے۔

مسٹر سیبون کا آخری چارج

اے والیان ملک۔ اے مہتران قوم۔ اے راجگان و نوابان۔ اے شریف قوم۔ اے رذیل قوم اے دانا اے نادان میرا مدت مدید سے خیال ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں تمام شریف اور پاجیوں سے خفیہ ملاقات کروں اور باری باری سے اپنے دربار میں بلاؤں۔ افسوس یہ وقت تو نصیب نہ ہوا۔ اور میری رخصت کا زمانہ قریب آگیا ؎

ابتو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میں جانتا ہوں کہ آج تمام دنیا کے ہال میں آپ لوگ میری ملاقات کو جمع ہوئے ہیں دنیا کی اسٹیج پر اجلاس کرنے کا دستور قدیم الایام سے مروج ہے۔ چنانچہ آبتک دھوبی مہتر بھنگی۔ بھشتی کبڑیئے دن بھر کی چھوا چھو اور مٹیا بچہ اور لسن پیاز کی دھرما اٹھا پٹخ کے بعد آٹھویں دسویں پنچایت کر کے ایک موٹے تازے احمق کو اپنا مکھیا بنا لیتے ہیں۔ جو ان کی چنڈیا سہلاتا ہے۔ اور بھیجا کھاتا ہے۔ اس طرح کی بیوقوفی میں اتفاق وقت سے آج میں بھی پھنس گیا ہوں۔ ایسے ایسے اجلاس کی بدولت بہت سے کام کی باتیں نکل آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی قدر میری طرز حکومت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ تو اس کی اصلاح میں دوسرے دربار میں پہونچکر کروں۔ مگر مجھ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام دنیا کی رائے کا اونٹ کس کروٹ بیٹھا ہے میں ہمیشہ سے شہرت طلب واقع ہوا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ

میرے کارنامہ آب زر سے لکھے جاویں

کیونکہ تاریخی واقعات اور قوم کے گرے پڑے آثار سے ماضیت اور کس مپرسی کا نقشہ ہو بہو

کھنچ جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ میرے زمانۂ حکومت میں بہت سے واقعات ایسے ہوئے جن کو لوگ کبھی نہ بھولیں گے۔ جدید شاہ ایران کا ایرانی حکومت اپنے ہاتھ میں لینا اور ایران میں پارلیمنٹ کا قایم ہونا۔ اور مالی معاملات کی نگرانی میں پورا اختیار حاصل کرنا۔ تجارت کے متعلق عہد و پیمان کی تکمیل پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آجانا۔ یہانتک کہ وزیر کا تقرر پارلیمنٹ کے اذن سے ہونا اس کے بعد سب سے زبردست واقعہ ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں والی کابل کا دورۂ ہندوستان ہے جو خاصکر تمام ہندو مسلمانوں کی خوشنودی کا باعث ہوا۔

پھر مشرقی بنگال اور پنجاب کی شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوئیں اور اسی جھپٹ میں لالہ لاجپت رائے اور بھگو حلوائی بھی آگئے۔ کہ کرو کہ نیافت۔

لوگوں کی باغیانہ حرکتوں نے گورنمنٹ کو ان سے اس قدر بدظن کر دیا۔ کہ مابدولت کی نگاہ میں انکا ذرا بھی بھروسہ نہ رہا۔ اور آخر دو چار مڈھ پکڑ کر بھیجدئے گئے تو ان کا نشہ بغاوت ہرن ہوگیا۔ اور جب

ادہا و ہند شکایتوں کی بھرمار

کے بعد بھی مابدولت خاموشی اختیار کر بیٹھے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگیا۔ اور سمجھ گئے کہ سرکار کو دیوی کی بھینٹ چڑھانے کی ضرورت ہے۔ پھر آخر بغاوت وفاداری کے ساتھ بدلگئی اور خوشامد کی ٹٹوی دوڑنے لگی۔ گورنمنٹ ایسی ہے۔ ویسی ہے۔ ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے۔ اخبار ..... کے سابق ایڈیٹر جو جیلخانہ کی نذر کر دیئے گئے۔ شاہ مراکو کی عیش پرستی نے یہانتک پاؤں پھیلائے۔ کہ دارالبیضا میں ہزاروں لوگوں کی جانیں ضایع ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ ناعاقبت اندیش لوگ اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے۔ سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اگر یہی نااتفاقی رہی تو مراکو کی قدیم سلطنت کا آفتاب جلد غروب ہو جائے گا۔ اور اس ہولناک منظر کو خاموشی اور حسرت کے ساتھ تمام لوگ دیکھیں گے۔ مابدولت کا غصہ اس سے اور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور قریب ہے وہ زمانہ کہ ہم ناخوش جائیں مسلمان ایک سبب سے ہمکو زیادہ منحوس سمجھتے ہیں۔ اور وہ نواب محسن الملک بہادر کی بیوقت موت ہے۔ افسوس صد افسوس!

ہندوستان میں ہماری یادگار

ہم ہندوستان میں اپنی چند یادگاریں قایم کئے جاتے ہیں جن میں خاصکر ذکر کے قابل صرف ایک قحط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری اس انمول یادگار کے آثار تمام ہند پر ظاہر ہیں۔ اور آیندہ اس مبارک آفت کا سامنا آنے والا ہے جس کی وجہ سے آیندہ مسٹر ایٹ کی گورنمنٹ کو اور اس کے عہدہ داروں کو اپنی ساری قوتیں اور قابلیتیں کام میں لانا ہونگی۔ اور پچینی اور دوبائی تباہی کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ ایسی حالت میں ہمارا چارج دینا کسی طرح موزوں اور مناسب نہ تھا۔ مگر میرے خیال میں میری روانگی ذاتی حرکت کا نتیجہ نہیں ہے پس مجھکو اپنا حسن انجام خدمت دکھا کر اپنا اعزاز قایم کرنا ہے۔

آج جو تکلیف پبلک کو دیگئی ہے اوس میں زیادہ ضروری کام انجام پاسکتے ہیں۔ یہ بات زیادہ مضحکہ خیز ہے کہ میں اوس کارروائی کو جو عام کی مصیبت کی سختی کم کرنے کی غرض سے میں نے تجویز کی ہے۔ یا آیندہ کرنا چاہتا تھا جس قدر زیادہ غل غپاڑہ کے ساتھ ممکن ہوگا پھاڑ پھاڑ کر بیان کروں۔ کیونکہ آج بہت موٹے موٹے اشخاص۔ بڑے بڑے زمیندار قسمت ہند کے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ

اس واویلا سے کچھ فائدہ نہوگا

آپ سب آپس میں ملکر تمام مختلف اسباب مصیبت کی گٹھری اپنے سر پر اٹھا کر دقتوں اور پریشانیوں کی گلیوں میں گشت لگائیے۔

ان دنوں میں ایک ایسا خفیف امر ہے جس کے خیال و اندیشہ سے امیر و غریب سب کی روح پرواز کھولے ہوئے طاعون کی امداد کی منتظر ہے۔ اور افلاس کا دیو اُن کے پیچھے لٹھ لئے ہوئے گھوم رہا ہے۔ نا اتفاقی کی جوتی پنزار برابر مرمت کر رہی ہے۔ ان تمام مشکلات کا سامنا کرنے کو ملک کے ہونہار لوگ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اور خود غرض اپنے فائدہ کی غرض سے انکی کمی کرنے اور جیب کترنے کو بھائی بنا رہے ہیں۔ یہ خود غرض لوگ سر مونڈن کرنے کی غرض سے دوست بننا چاہتے ہیں۔ ان کے دام فریب میں ایک مظلوم سرشار قوم آجائے گی۔ پس چونکہ ہماری امید پر پانی پھیرا جاتا تھا یہ بہتر معلوم ہوا کہ خشک سالی کے وبال میں پھنسانے کی کوشش کی جائے۔ اور کوئی حیلۂ شرعی اختیار کیا جائے۔ شعر

صوفی دانند سر انکہ اہل رد است کیں حادثۂ جہان ادیب مرد است

در زیر فلک سر بشی آغاز مکن اے خوشۂ گندم آسیا نہ کرد است

اس ڈبل کارروائی

کی ابتدا میں تم سب لوگ بھڑکتے تھے۔ قحط سالی کے نام سے بخار چڑھتا تھا۔ جب ہم نے سوچ سمجھکر ذرا باگ ڈھیلی کر دی۔ اور چمکارنا شروع کیا کہ تم گھبراؤ نہیں دیکھی اور اطمینان سے محنت اور جانفشانی کی تخم ریزی بے فصل خریف کے کاٹنے کے واسطے ہنسیا لئے ہوئے کھیت میں ڈنڑ پیلا کر دو۔ جب وہ زمانہ بھی نکل گیا۔ تو پھر ایک دوسری ہوا باندھی کہ اگرچہ فصل خریف نہ ہوئی۔ مگر اس کی کسر بیج میں بالکل نکل جائیگی۔ ایکدم سے اٹھارہ اناج بو دینا۔ اور گنے کے کھیت میں گھیاں کی بیل پھیلا دینا آلو خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ نہیں تو شکر قند گاجر مولی۔ گوبھی کے پتے غذائے لطیف کا کام دیں گے۔ بالآخر وہ دن بھی گذر گئے اور چنے کے کھیت گدھے چر گئے۔ تو وہی

پرانا راگ الاپنا شروع کیا

جب ستمبر کا مہینہ گذر گیا۔ اور ہمارے جال کا ایک ایک تار کھلنا شروع ہو گیا۔ ستمبر ہی میں ایک بوند نہ برسی اکتوبر بھی اپنا قدم خشک لیکر چلا گیا۔ اگہنے کے دھان کے واسطے سنچائی کی ہوا بندھوائی۔ مگر اس چاٹے کبھی پیاس بجھتی ہے آخر دوسری خریف بھی نہ ہوئی۔ دھان کا آٹھواں حصہ بھی پیدا نہ ہوا۔ اس پر مزید چوٹ یہ ہوئی کہ باجرا جوار کی جو غریب غربا کی خوراک ہیں۔ وہ بھی نیست و نابود ہو گئے تو ہمارے چیلے چھوٹ گئے۔ اب یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ معمولی پیداوار کا چہارم حصہ بھی نہ پیدا ہوا مجموعی کاشت ستر لاکھ ایکڑ زمین پر ہوتی ہے۔ وہ بھی اوسط درجہ کی ہوئی اوکھ کی پیداوار اس سے بہت کم ہوئی۔ جس کی دو مہینہ سے سیوا کیجاتی تھی۔ اور سب کسان منہ میٹھا کرنے کو زبان چاٹ رہے تھے۔ حلوا خوروں را روئے باید۔ بعض ضلعوں میں چارہ بھی سے کمیاب ہے اور بہت گراں ہے۔ آدمیوں تک کو گھاس کھانے کو نہیں ملتی۔ ستمبر اور اکتوبر میں پچھوا ہوا چلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین میں نمی کا نام بھی باقی نہ رہا۔ اور اس کا بھی افسوس ہے کہ جن دریاؤں سے آبرسانی میں مدد لی جاتی ہے وہ خود ایک ایک قطرہ پانی کو محتاج ہیں۔ یہ موجودہ زمانہ کا افسوسناک پہلو ہے

روئی نہ کپاس کو تھوسی لٹھم لٹھا

تجارتی اجناس میں روئی نے ریشم برابر بھی ساتھ نہ دیا۔ کپاس کی جنس ان مقامات میں آبپاشی کے صیغہ کی گرانی برابر جاری ہے کچھ تھوڑی بہت پیداوار کا اندازہ کیا ہے۔ سب گاؤں والے کھیتی میں سر کھپا رہے ہیں۔ لیکن موسم سرما نومبر کا مہینہ بھی جواب دیچکا پانی برسنا کیسا اوس تک نہ گری۔

جو بیچ بویا جاتا۔ اب یہ حالت ہے کہ تمام ہندی کمزور اور دبلے ہو گئے ہیں۔ بھوک مارنے سے اڑے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں بھیک مانگنے والے معمول سے زیادہ سرگرمی اور مستعدی سے لپٹتے ہیں۔ اس پر بھی بعض حرام خور موٹے نظر آتے ہیں جن کی کسی موقعہ پر موسیائی نکالی جائے گی۔ زیادہ افسوس کی بات ہے کہ دبلے اور غریب آدمی اس گرسنگی اور گرانی کی مصیبت کو صبر و استقلال سے گذار رہے ہیں۔ اور اپنی اپنی جان کی خیر منا رہے ہیں کیونکہ

طاعونی خوف و خطر

ان کو زیادہ جینے کی اجازت نہیں دیتا اپنی اپنی جان کے لالے پڑے ہیں۔ چوہوں کی طرح اپنے اپنے بلوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ تاجروں کے بل پاس نہیں ہوتے۔ زندگی سے ناامید ادھر بخار آیا اُدھر مرنیکی ڈگری حاصل کر لی۔ ذرا سا دانہ نکلا اور طاعون کی گلٹی کا خواب دیکھنے لگے۔ گو ابھی اس مرض کا زیادہ زور نہیں ہے۔ مگر دسمبر کے ختم ہونے کے ساتھ ہی چہل پہل ہو جاویگی۔ اور ڈاکٹر حکیموں بیدوں کی چندائی کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔ اور دھڑی کی دوا کے سیکڑوں روپے ہو جائیں گے۔ دولت کے ساتھ تو بدیں بھی بھوتنی جائیں گی۔ اور پھر فریب کی گردن پر احسان کا بوجھ رکھا جائے گا کہ ہم نے تمہاری جان بچائی۔ ورنہ سب ایکا تھے سے چٹنی ہو جاتے شعر

جس نے کچھ احساں کیا اک بوجھ ہم پر رکھدیا
سر سے تنکا کیا اتارا اور تجھ پر رکھدیا

لاشے ٹیلوں پر پھینکے جائیں گے۔ اور مردہ بدست زندہ کی مثل صادق آئیگی۔ جو کوشش طاعون کے دور کرنیکی عمل میں آ رہی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ رعیت کی جان بچے اور امن و امان برقرار رہے۔

جان بچی لاکھوں پائے

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنا چارج مسٹر ایٹ کو دیکر رخصت ہو جائیں۔ اور آنیوالی نیک ساعت میں ۳۱ دسمبر کی رات کے آخر حصہ میں تاروں کی چھاؤں میں ٹھنڈے ٹھنڈے ملک عدم کا بندوبست کرنے کو جدید برقی ٹرمیوے میں سوار ہو کر ہوا کے رخ پر سر بصحرا نکل جائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمامی ہند کی تکالیف اور مصیبت رفع کرنیکی

غرض سے جو قانون عملدرآمد ہماری سرکار سے نافذ ہوا ہے اور جو کارروائیاں طاعون اور قحط کے رفع کرنے کی اختیار کی گئی ہیں۔ وہ سب اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ ہماری سرکار کو سب امور سے زیادہ رعایا کی امن و عافیت کا لحاظ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ فی الحال لوگ اس مسئلہ کو اچھی طرح نہیں سمجھتے کہ طوعاً و کرہاً عملی طور پر ہماری مدد کریں۔ اور ہمارے کارنامے یاد رکھیں۔ لہٰذا ہم آپ سارے دنیا والوں سے رخصت ہوتے ہیں اور مسٹر ایٹ کے سپرد کرتے ہیں۔ جو آنے والی ٹرین میں آپ سے ملاقات کریں گے۔ اور ان کے واسطے دو کارآزمودہ رفیق

طاعون اور قحط سالی

مذکور مونث کا جوڑا چھوڑے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ انکی مدد سے وہ بہت کچھ ملکی امور میں ترقی حاصل کریں گے۔ اور امید ہے کہ افلاس اور فلاکت کی تقاوی سے وہ تمام دنیا کو مالا مال کریں گے۔ اور آئندہ جو کچھ آپ لوگ عرض معروض و تجویز مناسب ان کے حضور میں پیش کریں۔ مناسب اور معقول الفاظ میں ہو نہیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اور روتے نہ بن پڑیگا۔ کیونکہ آپ لوگ ڈھل مل یقین ہیں۔ اور مستقل مزاج پرزی مکر و حیلہ کی پرانی سبیل نکالی جائیگی۔ اور سب کبوتر ایک کابک میں بند کر دیئے جائیں گے۔ آخر میں ایک نصیحت اور کرتا ہوں کہ تم سب لوگوں کو زمانے کی ہوا کا رخ دیکھنا چاہیئے۔ اور رسکی ٹائم پیس کی سوئی کی نوک کی رفتار کے ساتھ ساتھ گھومنا چاہیئے۔ ایک سکنڈ بھر کا فرق نہ ہونا چاہیئے۔ مصرعہ

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

اچھا رخصت رخصت رخصت !!!

ہولی کی ڈکشنری

کیا منانے لگے اس سال ریوٹر ہولی
جھوٹی خبروں کی بنی ہے جو گرامر ہولی

عین تقریر میں تقریر کو کچھ طول ہوا
کانگرس میں ہوئی اب کی سر لکچر ہولی

رنگ چوکھا جبھی آئے کا شہ کابل کا
کھیلنے آئیں اگر ساتھ ہز آنر ہولی

جام صحت جو پیئے جائیں گے باری باری
خالی کر دے گی مئے ناب کے کنٹر ہولی

ہز مجسٹی سے ہوئے ہند کے ہندو راضی
واہ کیا خوب مچائی ہے ڈیر سر ہولی

تم سودیشی کی نہ تحریک پہ چیخو بابو
کہ پکڑ لے نہ بغاوت کا کریکٹر ہولی

کانگرس کے ڈیلیگیٹوں نے پیئے جام پہ جام
کھیلنے جاتے ہیں اجلاس پہ ممبر ہولی

ایسا نپٹو ہون کہ کہتا ہے بلا کر صاحب
دل مرے ساتھ میں تم کھیلے گا مسٹر ہولی

میز پر ہوتی ہیں ٹانگیں تو زمیں پر گردن
اس طرح کھیلتے ہیں شام سے ٹیچر ہولی

پانی بھرتا ہے کبھی پھینکتا جاتا ہے کبھی
کھیلتا ہے یہ سٹیشن پہ بوائلر ہولی

ڈاکٹر ہو کہ کوئی نرس کہ کمپوڈر ہو
نشہ میں بھر کے نہ کھیلا کرے جنجر ہولی

رنگ بھی کوئی نیا ہو جو نئی ہولی ہو
کھیلیں بھر بھر کے نہ بوتل میں وہ کیمفر ہولی

کبھی اسلام کی خبروں کو نہ صحت سے لکھا
نشہ میں روز مناتے رہے ریوٹر ہولی

نام تہذیب و ادب ہند سے اٹھ جائیگا
ساتھ بیٹے کے منائے گا جو فادر ہولی

آسماں اپنے ترشح سے نہیں باز آتا
کھیلتا جاتا ہے بھر بھر کے یہ واٹر ہولی

ووٹ دینے کو اگر جاتا ہے کوئی ووٹر
اپنی بک بک سے مچا دیتے ہیں ممبر ہولی

خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں بخن سی کبھی
کھیلتا جاتا ہے کیا خوب ڈریور ہولی

نیلگوں ابر کبھی اور ترشح ہے . . . کبھی
ملکے آئی ہے نئے طرز کا پوڈر ہولی

آگ لگ جاتی ہے پیچھے میں کراسن کی اگر
ہم سمجھتے ہیں مناتا ہے کنٹر ہولی

گالیاں بکنے سے کیا فائدہ ہے نشہ میں
کہیں کھلوائے تڑاتڑ نہ سلیپر ہولی

گالیاں بکنے سے یہ خوف ہمیں رہتا ہے
بند کر دیں نہ کہیں ڈپٹی کلکٹر ہولی

دورے پر رہتے ہیں صاحب تو اڑاتے ہیں یہ خاک
اہل عملہ کو تو ہے ماہ ڈسمبر ہولی

یہ کبیر اور یہ تہذیب خدا خیر کرے | ایسی موقوف کریں قوم کے لیڈر ہولی
رنگ اوچھالیں گے مضامین کے ہم اے عشرت
ہم سے کھیلیں گے اگر آج اڈیٹر ہولی

پولیٹکل ہولی

اسلامی ڈیپوٹیشن خوب بنایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا

انترہ

عبیر گلال پولیٹکل بکر: اپنا دکھڑا گایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا
اونسے تو کام نہ تھا کچھ: اپنا گھر کھوب بچایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا
شملہ پر یہ پھاگ چھیلا: رنگ بھی چوکھا آیا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا!
لارڈ منٹو کی جے جے ہوئے: جس نے سبکا رجھایا
ہولی میں کیا رنگ اڑایا

کابلی ہولی

ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
آئے بدیسی کھیلن والے
نام حبیب اللہ خاں ہے انکا | رنگ شریعت ڈالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

جلسہ کے اڈریس لئے سب | نینن ہیں یا بھالے
ہندو مسلماں ایک کئے ہیں | کیسے کیسے رنگ نکالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

جام صحت نوش کریں سب | اس مے کے ہیں متوالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

لارڈ منٹو عبیر اڑائیں | وہ ہوں پچکاری والے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

انگلش نیٹو الگ کئے سب | بنگئے گورے اور کالے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

پھاگ یہ ایسا کھیلا تمنے | کُہس بہئے دیکھن والے
ہولی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے

ایک لیڈی کا سراپا

بھورے بھورے بال اس کے لطف سے خالی نہیں | زلف مشکیں بو نہیں ناگن نہیں کالی نہیں
چوٹی گوندھے کون خالی سر پہ جوڑا باندھ لو | ایک گلدستہ نما ٹوپی پہن لو زیب کو
اور اسپر ٹانک لینا چاہیئے مرغی کا پر | تاکہ وحشت میں نہ آئیں دیکھکر کچھ جانور
کاسۂ سر گول ہے اور اس کے اندر ہے دماغ | دل ہوا جاتا ہے جس کے دیکھنے سے باغ باغ
ایک پیشانی بھویں دو نیچے لمبی ناک ہے | شامہ ہے باصرہ ہے قوت ادراک ہے
عارض زیبا پہ ہے کیا سرخ پوڈر کی بہار | ہونٹ ٹکڑا ناریل کا منہ ہے دل کا اشتہار
دانت سیپی کے بنے ہیں صاف یہ ہوتا ہے شک | اور زباں ایک گوشت کا ٹکڑا سمجھئے بیدھڑک
بات کرتی ہے ملایم کچھ عجب انداز سے | گربۂ مسکیں کوئی روتی ہے نرم آواز سے
صاف ٹھڈی ہے کہ ٹکڑا کیک کا ہے بیگماں | کان ہے یا ناک الٹی ہو کے چپکی ہے یہاں
پتلی گردن ہے کہ گویا ڈگڈگی بندر کی ہے | ایک پٹہ طوق ہے زینت بہی کالر کی ہے
شانے بازو اور ساعد نرم نازک گول گول | سینہ میں دل پھیپھڑا اور دل کے اندر ایک خول

ہاتھ میں مہندی نہیں کف ہائے روشن صاف ہیں
انگلیاں مولی کی نوکیں از رہِ انصاف ہیں

خوب قدرت نے بنائی ہیں وہ دونوں . . . .
مشتبہ اُس سے نہیں ہو سکتی ہیں نارنگیاں

صاف ہیں ابھری ہوئی ہیں گول ہیں شفاف ہیں
سخت ہیں اونچی ہیں چکنی باہمہ اوصاف ہیں

پیٹ بالکل نرم و نازک پیٹھ ساری سخت ہے
رحم دل ہے ایک مونس دوسرا کمبخت ہے

دور میں دس انچ سے زاید نہیں پتلی کمر
یہ غلط ہے ناف کو کہنے لگے کوئی بھنور

پنڈلیاں نازک ہیں رانیں گوشت سے لبریز ہیں
پاؤں نازک ہیں مگر رفتار میں کچھ تیز ہیں

بات کرتی ہے عجب انداز سے وہ سیمبر
مسکرا کر کہتی ہے گڈ مارننگ مائی ڈیر

ساری پیجامہ سے نفرت زیب تن اک سایا ہے
دیکھکر کہتے ہیں صاحب دل یہ کس کا آیا ہے

مسٹر ساقی

ادھر آنا مرے مسٹر ساقی
ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ساقی

نشہ ہے مجکو ذرا ہاتھ لگا
کہیں اُڑ جائے نہ سو ٹر ساقی

اور اک جام گلابی دینا
مہرباں یار ڈیر سر ساقی

دام دیدونگا سمجھ جھوٹ نہ تو
کچھ نہیں ہوں میں ریوٹر ساقی

آمد سال ہے دخت رز کی
ملدے رخسار پہ پوڈر ساقی

دخت رز سے میری شادی کر دے
تو ہی اس مس کا ہے فادر ساقی

نشہ میں میں ہوں بلا سے تیری
لا کوئی اور بھی ساغر ساقی

تو نیا دور نیا سال نیا
بھر کے لا آج تو کنٹر ساقی

کانگرس میں چلے گدم گدا
نرم اور گرم ہوا کنٹر ساقی

ایک کی پگڑی ہو اور ایک کا ہاتھ
ایک سہلائے ذرا سر ساقی

ایسی صحبت میں تو آتا ہے مزا
جبکہ ہوں چار وزیٹر ساقی

کوئی پگڑی کو اُتارے سر سے
کوئی قدمونپہ رکھے سر ساقی

اور پولیس ہاتھ دے گردنیں | کرے اجلاس سے باہر ساقی
ہو یہ ریفارمروں کی نوبت | پڑتی جاتی ہوں برابر ساقی
نشہ کی بادے پھر سے کہیں | بگڑینگے اب کی چپت پر ساقی
گرمیاں اپنی دکھاتا ہی تھے | لاکہیں بادۂ اخمر ساقی
کرکرا ہوگیا نشہ آخر
خیر جاتے ہیں برادر ساقی

ہمارا خیال

ہم سمجھتے تھے کہ لندن جائینگے | اور وہاں سے لائینگے موٹی سی ہیم
کالا نیٹو پر نہیں اسکو پسند | خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

دیسی بینڈ باجے کا گیت

سدا دیس کا راگ گایا کرو | مصیبت کو آنکھیں دکھایا کرو
مشقت سے روٹی کمایا کرو
بنا چاہتے ہو جو انسان تم | ترقی کرو مثل جاپان تم
مشقت سے روٹی کمایا کرو
زمانہ کی تمکو نہیں ہے خبر | تجارت میں جاتی ہے دولت مگر
مشقت سے روٹی کمایا کرو
مسلسل جو محنت کئے جاؤگے | ترقی تجارت میں دکھلاؤگے
مشقت سے روٹی کمایا کرو
ذرا دستکاری کے دکھلاؤ کام | ترقی ہو لونڈی تو زر ہو غلام
مشقت سے روٹی کمایا کرو
صنایع میں تم فرد ہو طاق ہو | مگر کاہلی میں بھی مشاق ہو

مشقت سے روٹی کمایا کرو

اگر دیسی شے پر کرو اکتفا!!! تو ہرجا یگانہ کا کچھ بھلا
مشقت سے روٹی کمایا کرو

جو چاہو ضعیفی میں طاقت رہے جو چاہو کہ دنیا میں عزت رہے
مشقت سے روٹی کمایا کرو

اگر چار پیسے کماؤ گے تم تو ٹھوکر نہ در در کی کھاؤ گے تم
مشقت سے روٹی کمایا کرو

در شکایت ابنائے وقت گوید

کہا بی گھر بسی سے مینے اکبار — خبر لے کچھ ذرا بیٹے کی سردار
اُسے آوارہ لونڈوں نے کیا ہے — قبیحوں میں رہا کرتا ہے بدکار
وہ نامعقول اس درجہ ہوا ہے — نہیں فعل شنیعہ سے اُسے عار
ادب اس کو بزرگوں کا نہیں ہے — ہوا ہے باوہ غفلت سے سرشار
چڑھا کر اینٹ کی عینک کو احمق — مہذب سے کیا کرتا ہے تکرار
یہ سب کج بختیاں بھی ہیں اُسی کی — سمجھتا ہے وہ کانٹوں کو کبھی گلزار
ہوا ہے اس قدر تہذیب سے دور — کہ بیہودہ کیا کرتا ہے گفتار
خراب اس کو کریں گے ملنے والے — بگڑ جائیں گے اُس کے سارے اطوار
نہیں ہے خوف میرا بھی اُسے کچھ — بڑے ہیں درحقیقت اس کی آثار
جو کرتا ہوں نصیحت نیک اُس کو — تو اُس بدکار کو ہوتا ہے انکار
گلی ڈنڈے میں رہتا ہے ہمیشہ — بگڑتے جاتے ہیں ہر روز کردار
شرارت پر کمر باندھی ہے کس کر — نہ ہوگا خراب غفلت سے وہ بیدار
سمجھتا ہے جسے اشراف ہے یہ — اُسی کو یہ دیا کرتا ہے آزار
کہیں ایسا نہ ہو پٹ جائے اکدن — کہیں ایسا نہ ہو ہو جائے تکرار

بہت یہ منہ کی آتا ہے سبھوں پر
بتا دے گا کوئی اک روز دھتکار

نہ اس کو اپنی عزت کا ہے کچھ پاس
نہ اس کو باپ کی ذلت سے انکار

میں کر دوں عاق اس کو دل میں یہ ہے
کہ رنج اس نے دیئے ہیں مجھکو بسیار

رہونگا ساتھ ساتھ اس کے اگر میں
تو ہو جائیگی اک دن جوتی بیزار

وہ آنسو بھر کے آنکھوں میں یہ بولی
کروں کیا میں کہ میرے تم ہو مختار

مگر سچ کہہ گئے ہیں شیخ سعدی
زنان باردار اے مرد ہشیار

اگر وقتِ ولادت مار زایند
ازان بہتر بہ نزدیک خردمند
کہ فرزندان ناہموار زایند

گوشمالی

کیوں بھتیجے ہم نہ تم سے کہتے تھے
بحث کرنا ہے بڑوں سے ناروا

باپ سے کچھ بڑھ کے ان کو جاننا
ہے مقدم ہر گھڑی ان کی رضا

فرق ان کی شان میں گر آئے گا
باپ ہو جائے گا تم سے پھر خفا

ذات ان کی مغتنم ہے دہر میں
تمکو گستاخی نہیں ان سے روا

بدزبانی سے نہ باز آیا مگر
تو یہ سمجھا جھوٹ کہتے ہیں چچا

باپ بھی ناخوش ہوا اوروں کو بھی
غصہ تیری گالیوں پر آ گیا!

پھر وہ سر کو بی ہوئی پاپوش سے
مادۂ نزلہ کا غائب ہو گیا!

غل مچایا ماں نے ہے ہی میرا پوت
پٹ گیا لو پٹ گیا لو مر گیا

دوڑیو لو ناچماری دوڑیو
اس گھڑی فرمائیو ہم پر دیا

شور مُردوں نے کیا مت ماریو
اور اک شیطان سر پیٹا کیا

زور مارا اور روحوں نے بہت
جنت اور دوزخ میں اک غل پڑ گیا

جب بزن ٹیپے کی گردان ہو چکی
پا چکا یہ بے حیا اسکی سزا

دستکاری سے جو بھیجا کھل گیا
دی یہ سعدی نے نوید جانفزا

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعدِ سیمین خود را رنجہ کرد

ظرافت الدولہ بہادر کا نصیحت نامہ

شرارت کی غبی نے یہ نہ سمجھا وائے نادانی
کہ یہ ہیں یکہ تاز و مرد میدان سخندانی

حسن کے سامنے روشن نہ ہوگا نام دنیا میں
کہاں شیر نیستانی کجا غول بیابانی

بتاؤں کیا کہ ساری مثنوی اغلاط سے پر ہے
غلط ہے مصرع اولیٰ تو ناقص مصرع ثانی

حمل باندھا کہیں ہے حمل کو پھر اسکا دش ہے
لہر کہتے ہیں ناداں لہر کو از راہ نادانی

نہیں ہے سانس "اکدم کی" یہ ہے کس ملک کی بولی
چکھے" چکھنے کو کہنا یہ کہاں کی ہے سخندانی

کبھی بینائی کے چہرے پہ جاتی ہے نظر ان کی
کبھی کہتے ہیں سچ ہے "وہ پری تھی ناچنی گانی

غرض اس طرح کے الفاظ مہمل اس میں موزوں ہیں
اور اسپر ہے ہوا خواہوں کی ہٹ دھرمی کی طغیانی

کبھی آتش کے خط آتے ہیں جنت سے دہائی کے
سفارش کر رہی ہیں جان صاحب بنکے دیوانی

کبھی سجادی بیگم کو ستی ہیں ہاتھ پھیلا کر
الٰہی اس موئے کی خاک ہو جائے مسلمانی

بزن ٹیپے کہ ہندوستاں بلرزد کا یہاں مضمون
ادھر فوج حمق پر پڑ گئی ہے اک پریشانی

کلوخ انداز کو پاداش ملجاتی ہے پتھر سے
چپت کھائی تو اب ہونے لگی کوؤں کی مہمانی

جواب آخر ملا ترکی بترکی تو نکل بھاگے
بنے سب اعتراض اسکے ہیں گویا خط پیشانی

سمجھ میں کچھ نہ کچھ آنے لگا ہے فرط وحشت سے
بدلتے جاتے ہیں یادش بخیر امراض نسیانی

اگر پہلے سمجھ جاتے تو کیوں دقت ہمیں ہوتی
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ بورانی ست بادنجان و بادنجان ست بورانی

ضرب المنکرین

کہا میں نے اک دوست سے ایکبار
کہ ہیں آپ تو شاعر ذی وقار

دکھائی ہیں کیا غلطیاں آپ نے — مٹائی ہے کیا مثنوی کی بہار
کئے ہیں وہ کچھ اعتراض آپ نے — نکالے ہیں اس باغ سے چن کے خار
جو منصف ہیں وہ معترف اسکی ہیں — کہ اغلاط ہیں بیحد و بیشمار
جو نافہم ہیں غار کھاتے ہیں وہ — بھرے ہے بہت ان کے دل میں غبار
بُرا مانتے ہیں خبث آپ کیوں؟ — نہیں انکی بک بک کا کچھ اعتبار
مہذب سمجھتے نہیں ان کو کچھ — بجایا کریں ڈھولکی پر ستار
کہا تم نہیں جانتے ہو اسے — کسی کا نہیں دل پہ ہے اختیار
مجھے غصہ آتا ہے جس شعر پر — وہ اس شعر سے ہوتا ہے آشکار

اگر با در جنگ جوید کسے
پدر بے گماں خشم گیرد بسے

ظرافت الدولہ بہادر کے نوٹ

اڑائے مثنوی کے جب پرخچے — توڑ سے حاسد بدبیں نر منکا
بُرا مانے کوئی جاہل تو مانے — مثل ہے چور کی ڈاڑھی میں تنکا

ہوئی یاروں کی جب رخصت خوب — بھائی بندان کے ساتھ مل بیٹھے
اب چپکنے لگا ہے اک اتوار — دیکھیں یہ اونٹ کون کل بیٹھے

کسی سے بے سبب کج بحثیاں کیں — ہوئے تھے بے پئے تم کیسے مست
چپت وہ دی کہ بھیجا منہ کو آیا — کلوخ انداز را پاداش سنگ است

خنجر ہے کسی کی نکتہ سنجی — حساد کے دل میں نیشتر ہے
جو منہ چڑھے انکے منہ کی کھائے — خربوزے کا ہر طرح ضرر ہے

ہوتا ہے وہ اخبار مقابل کس سے — جو فرد ہے اسوقت میں اور یکتا ہے
اب چونچ ذرا بند کرے یہ اپنی — زیبا نہیں اس کو یہ شتر غمزہ ہے

کچھ ظرافت میں کسی سے کم نہیں سرظریف — جو مقابل اسنے ہوگا خوب ٹھونکا جائیگا
ہر ورق اخبار کا گویا کہ اک آئینہ ہے — ہمسری کی ایرے غیرے نے تو منہ کی کھائیگا

میں نے اک دن سے ایک روز تبختر سے کہا — آپ کو حسن پرستی سے تعلق کیسا
آپ معمورۂ الفت میں عبث رہتے ہیں — کہ حسینان ستمگیش کا ہے وہ ڈیرا
احتراز آپ کو لازم ہے ان اجابوں سے — کیونکہ ہے ظلم و ستم ماہ رخوں کا شیوہ
ہے رقیب آپ کا اک جاہل ناداں بیشک — آپ جو فعل کریں ہوتا ہے اس کو صدما
حیرت آپ کی دیکھکا اسے دیدیتی ہے — ٹھیس لگتے ہی وہ ہوجاتا ہے چور اچورا
رحم فرمایئے اب حاجی بسملؔ پر آپ — ورنہ بے وال کا بودم ہے بگڑ جائے گا
خریہ کاکوری سے آیا ہے پئے کانچ ہنوز — اس گدھے کے لئے درکار ہے باسی ٹکا
ہنسکے فرمایا کہ سچ کہتے ہو تم مشفق من — پر کروں کیا کہ نہیں دل پہ ہے قابو اپنا
دلربا یا نہ اداؤں پہ مرا دل ہے نثار — ہر برہمن پہ سر بچھن ورام است ایجا

قطعہ قاطع

دفتر میں اس طرح یہ گدھا ہے دھرا ہوا — گویا ہے عیش باغ میں بندر مرا ہوا
کیوں منہ سے بولتا نہیں یہ شخص کچھ زباں — مال حرام کھا گیا ہے منہ تک بھرا ہوا
اک روز رو رہا تھا پڑا اپنی بیچ پر — سب کو ہوا یقین کہ گدھے سے مرا ہوا
بولا پریسین کھلوا کے ایک شخص — بکھیڑ یہ ہے فریم کا چمڑا دھرا ہوا
اس نے کہا فریم نہیں ہے حضور یہ — ٹیپو ہے آج رات سے بھوکا پڑا ہوا
اتنے میں اس گدھے نے جو انگڑائی لی وہاں — سب نے کہا کہ ہاں وہیں آ کھ کھڑا ہوا

دیکھا ظریف کو تو وہ اخبار دب گیا
دل میں خجل کماں یہ چکنا گھڑا ہوا

اور لیتے جاؤ

جب حمل گر جائے گا تو سخت یہ شرمائے گی
سامنے مردوں کے بیچاری نہ ہرگز آئے گی
دیکھ یہ اچھی نہیں ہے دلگی ہر ایک سے
پیٹ رہ جائے گا تجکو تو بہت پچتائے گی
چھوڑ دینگے ہاتھ ہلکا سا اگر مسٹر ظریف
مدتوں تک کھوپڑی چرخہ تری بھنائے گی

شاگرد استاد کے نازونیاز

آتش سے کہا کسی نے ہنسکر — استاد مجھے ملا قصائی
آتا نہیں رحم تم کو مجھ پر — دیتا پھروں کب تلک دہائی
شاعر ہو غزل نہیں بناتے — کچھ مجھ کو نہ شاعری سکھائی
کہتا ہوں جو شعر ہنستے ہیں سب — کہتے ہیں یہ نظم ہے ہوائی
صورت مری کم نہیں کسی سے — ہاتھوں سے خدا نے ہی بنائی
اردو بھی وہ چیز ہے کہ مجکو — اب تک تو نہ آنا تھی نہ آئی
اک مثنوی میں نے نظم کی ہے — تم نے وہ بھی نہ خود بنائی
پہلے اسے رند نے بنایا — بعد اس کے صبا نے کچھ بڑھائی
چھپر میں اسے گھڑس دیا پھر — پھر بہ کے وہ اونٹنی میں آئی
پھر کاٹ دیا اسے بہت کچھ — کیا خوب یہ مثنوی بنائی
باز آیا میں ان عنایتوں سے — کی آپ نے خوب یہ بھلائی

اصلاح حضور نے جو دی ہے — مجھ کو وہ پسند کچھ نہ آئی
اچھا مجھے پھیر دیجئے تم — میں آپ ہوں شاعر ہوائی
بلبل ہوں میں گلشن سخن کا — منقار ہزار کی ہے پائی
گو شعر میں ہر اعیاں ہوں — صورت میں تو کچھ نہیں برائی
مُنہ دیکھے کی ہو رہی ہے تعریف — صادق ہے یہ بات مجھ پہ آئی
صورت مری جو دیکھتا ہے — دیتے نہیں عیب اُسے سوجھائی
آتش نے کہا قلم دکھا کر — ناخوش زمن اے حسیں چرائی
گر بر سر و چشم من نشینی — اے چشم و چراغ آشنائی

با اینہمہ کبر و خویش بینی
نازت بکشم کہ نازنینی

قطعہ عیدیہ

عید کے دن زراہِ مکاری — بولی آیا کہ میں ترے واری
آج کے دن کی ہے خوشی سبکو — کوئی نائن ہو یا کہ بھٹیاری
آشناؤں سے اپنے ملتی ہیں — ماہ وش شاہدان بازاری
اب نہیں میرے پوچھنے والے — در و کس سے کہوں میں دکھیاری
ہاں بڑھاپے میں کون پوچھیگا — ساری دنیا کو تو ہے بیزاری
مر گئے آہ میرے عاشق سب — اب کرے کون میری غمخواری
سلامت رہو ہزار برس — ملتجی ہوں بگریۂ و زاری
آج کے دن ظریف خاں ہی کہو — لے کے آئیں ضرور پچکاری
صاف کر دیں وہ کوٹھری والا — سنتی ہوں آ رہی ہے بیماری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

طاعونی چوہے

توپ اور بندوق اپنے ساتھ لاتے ہیں چوہے
صاحب خانہ کو بھی گھر سے لگاتے ہیں چوہے

جانتے ہیں یہ کہ ہم طاعون کے مختار ہیں
اس لئے ہر ایک کو آنکھیں دکھاتے ہیں چوہے

وہ بہادر شیر کو چوہا رنگ کر دیتے تھے جو
جائے عبرت ہے کہ اب انکو ڈراتے ہیں چوہے

شیر سے کچھ کم نہیں ہوتا ہے ان کا رعب داب
سامنے پھولے ہوئے جس وقت آتے ہیں چوہے

ہے یقیں رستم بھی اپنی جان لیکر بھاگ جائے
جب سے طاعون اپنے ساتھ لاتے ہیں چوہے

چار آنکھیں کیا ہوئیں گویا قیامت آگئی!
موت کا پیغام اپنے ساتھ لاتے ہیں چوہے

کوئی اپنا دخل دے اتنی کہاں اسکی مجال
جس جگہ پر چاہتے ہیں گھر بناتے ہیں چوہے

بدگمانی سے کسی کی آنکھ جھپکے کس طرح
سیند نخت خانہ میں شب کو لگاتے ہیں چوہے

وقت آخر بھاگ جاتے ہیں عزیز و اقربا
نزع میں بہر عیادت روز آتے ہیں چوہے

تمت

CENTRAL LIBRARY TARA

مفت فہرست ہمارے یہاں کی طلب فرمائیے

آبِ بقا

دہلی اور لکھنؤ کے گذشتہ و موجودہ نامور و مستند شعرا کے سوانحی حالات مستند و دلچسپ کلام لکھنؤ کی صاف و شستہ اردو زبان میں جن میں خواجہ آتش لکھنوی منشی مظفر علی اسیر لکھنوی میر برشتہ دہلوی مرزا ماہر لکھنوی شاہ ظفر دہلوی منشی میر شکوہ آبادی فیح اللہ علی بحر لکھنوی شاد پیر و دبیر لکھنوی شیخ ناسخ میر مونس لکھنوی صفیر بلگرامی رشید لکھنوی ریاض خیرآبادی وسیم خیرآبادی قدیر دہلوی بیدار لکھنوی عیش لکھنوی مرزا ہادی رجب لکھنوی علی سیان کامل لکھنوی جدید لکھنوی ماہ لکھنوی شمیم رسا عرش چشتی حسرت راسخ عاشور میر ضمیر وغیرہ وغیرہ کے سوانحات اور منتخب اشعار درج ہیں۔ خاکسار مرحوم شعرا کے مزارات کا پتہ نشان بڑی تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ بیش بہا نیچرل نظموں کا وہ مجموعہ بے مثال ہے جسکو جذبات انسانی کا آئینہ اور فلسفیانہ نکات کا مرقع کہنا بجا نہ ہوگا۔

بہشتی دیوی

ایک غریب نیک نفس و عفت مآب عورت کی زندگی کا مرقع۔ امیر و نئی بول چال اور صحبت کا خاکہ متوسط الحال گھروں کی طرز معاشرت۔ دنیاداری کی دنیاسازی۔ اتحاد خانہ داری سکھانے کی پاکیزہ راہیں۔ ستودات تمیز سے لیکر اصول تدبیر منزل تک عقد بیوگان کیلئے دلچسپ کارآمد مضامین۔

ہمجولی

شریف بیبیوں کی تعلیم کی ضروری کتاب۔ خاص محاورات اردو زبان میں قدیم طرز تمدن پر خاندانی تصاویر خوشخط رنگا رنگ نقشہ۔ خانہ داری کے اصول تربیت کے ضروری پہلو کا انکشاف وغیرہ

ورماد کا منجن

جسکی تصدیق کیمیاوی ترکیب کی مشہور میگزین ڈائجسٹ اور سٹن کیمیکل آف انڈیا ایم فیلو آف انڈیا رائل انسٹیٹیوشن کے ممبر شری نند بخش کی اسکے استعمال کی خاطر دانتوں میں سردی کے سبب سے کیسا ہی درد ہو فوراً کافور کر دیتا ہے سر دانتوں اور سوڑھ کا سوجنا جاتا ہے اور گرم ہوا یا کھٹا نمکین یا مٹھا کھانے سے جو دانت میں سوراخ ہو گیا ہے اور سوڑھوں کی کمزوری سے دانت ہلنے لگے ہیں یا دانتوں کی جڑ میں کیڑا ہو گیا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے یہ منجن ان سب کو دور کر دیتا ہے گندہ دہنی کا نام و نشان نہیں رہنے دیتا۔ دانتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے جو نیا نکلتا ہے اس سے دانت میلے نہیں ہوتے زردی میلا پن کو دور کر دیتا ہے۔ دانتوں کو مثل موتیوں کے چمکیلا اور خوبصورت کر دیتا ہے منہ کے دانے دانہ کسی بیماری کی وجہ سے ہوں) اچھے کر دیتا ہے زبان کی لکنت کو فائدہ بخش ہے رال اور مادہ فاسد کو پھینکتا ہے۔ دانتوں کی کھڑکیوں کو بند کر دیتا ہے پان کچونیکا زخم بھر دیتا ہے مسوڑے اور چہرے کا ورم دور کر دیتا ہے دانتوں میں کیڑا نہیں لگنے دیتا اور سڑے ہوئے گوشت کو از سر نو جما تا ہے مسوڑھوں کی بچھائے اور عصبی اعضا و غیرہ کیلئے نہایت مفید ہے۔ دانت کی جڑ دانت کیڑا دکھ کا کر بھسم کر دیتا ہے اور انکو پیدا نہیں ہونے دیتا ہر روز کے استعمال سے منہ کی کوئی بیماری نہیں رہنے دیتا۔

قیمت ۱۰ار محصول ڈاک ۳ر

المشتہر مہادیو پرشاد ورما نظیر آباد لکھنؤ